بحث و تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و کشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

جلد اول

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

نام کتاب: ———— معارف بہلویؒ

تالیف: ———— حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ترتیب و تسہیل: ———— مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

تاریخ اشاعت: ———— جولائی ۲۰۰۶ء

قیمت: ————

ناشر: ———— مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ———— جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون: 2780337 - 2780340

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

چند سال پیشتر حضرت مولانا عبد الرشید ارشد کی تحریک پر اپنے مرشد و مربی اور خاندانی محسن، مرشد العلماء، قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ کی حیات پر ایک مفصل مضمون قلم بند کرنے کی سعادت میسر آئی، اسی دوران حضرت مرحوم کی تصنیفات اور علمی رسائل دیکھنے اور جمع کرنے کا شوق اور داعیہ پیدا ہوا، تو خیال ہوا کہ ان رسائل کا مختصر سا تعارف بھی آ جائے، اس غرض سے جب اس علمی خزانے کو دیکھا تو احساس ہوا کہ بلاشبہ آج سے پچاس سال پہلے کی عوام کی استعداد آج کے مجھ جیسے نام نہاد مولویوں سے اچھی تھی، جبھی تو حضرت مرحوم کے اس دور کے عوام کے لئے لکھے گئے رسائل، جو بلاشبہ دریا بکوزہ کا مصداق ہیں، ان کا سمجھنا ہمارے لئے کارے دارد! اسی لئے اس مضمون میں راقم نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ ان کی جمع، ترتیب اور تسہیل کا کام کر دے تو کام کی چیز ہوگی۔

حسن اتفاق سے جب اس مضمون کی پہلی بار "بزم حسینی" میں اشاعت ہوئی تو کئی دوسرے حضرات نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا، بعض احباب نے یہ فرمایا کہ تم ہی یہ کام کر لو، مگر اس مشکل کام کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ کہیں حضرت کے علوم کی اشاعت کی جگہ ان میں تحریف کا مرتکب نہ ہو جاؤں، چنانچہ اسی خوف سے یہ کام مزید تاخیر و تعطل کا شکار ہوتا گیا، بالآخر جب احباب کا اصرار بڑھا تو اپنے بزرگ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑ پکا دامت برکاتہم اور دوسرے اکابر سے مشورہ کیا، تو انہوں نے اس

اجمالی فہرست

فہرست

ذکر الاذکار فی حیات سید الابرار ۲۰۹

سیرۃ النبی کی اجمالی سیر ۲۷۵

القول الحق فی حیاۃ المسیح
یعنی مسئلہ حیات المسیح کی بے غبار تحقیق

شجرۂ طیبہ ۳۴۵

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے "میرے حضرت بنوری کی چند حسین یادیں" میں حضرت بنوری قدس سرہ کے لیے رسالہ "البینات" کے افتتاحیہ میں مرحومین کی یاد میں لکھے جانے والے مضامین کی غرض بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

"..... اس سے مقصد ایک تو ادائے حق رفاقت ہے، دوسرے صالحین کی یاد و تذکار موجب نزول رحمت ہے، تیسرے اس سے مرحومین کی اقتدا کا داعیہ پیدا ہوگا، چوتھے اولیائے سابقین کے جو واقعات اس افسانوی دور میں افسانے نظر آتے تھے، ان سے اعتبار رفع ہوگا، پانچویں ہمارے اکابر کی عالی حوصلگی کا اندازہ ہوگا کہ دنیا [illegible]"

(شخصیات و تاثرات ص ۱۶۳)

اسی جذبے سے اپنے شیخ اول مخدوم العلماء، قطب زماں، مرشد خلائق، صوفی باصفا، زبدۃ الاتقیاء، شیخ التفسیر، مجدد تصوف، رہبر شریعت و طریقت حضرت اقدس

تو کر دیا، ہر بار یہی سوچتا کہ میری تحریر اور حضرت کی شخصیت...!

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟"

بالآخر میرے برادرِ کبیر اور محسن مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہ کی فہمائش نے کام کیا اور یہ سوچ کر کہ ہماری کوئی تحریر حضرت کے شایانِ شان نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی ہم اس کے مکلف ہیں کہ اپنے خامہ و قرطاس کو اس معیار پر پہنچائیں، ہم تو صرف اس کے مکلف ہیں کہ جیسے تیسے بن پڑے، اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کر دیا۔

اب یہ دوسرا موقع ہے کہ ایک سال ہونے کو آیا ہے حضرت مولانا عبدالرشید ارشد زید مجدہ بار بار یاد دہانی کراتے ہیں، نیز اپنے عہد کی طرف توجہ دلاتے ہیں، مگر طبیعت اپنی نااہلی کی وجہ سے اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ شاید اس لئے کہ بعض شخصیات اپنے پسماندگان پر اپنی عظمت کا ایسا نقش چھوڑ جاتی ہیں کہ ان کی عظمت و رفعت کے مقابلے میں سب کچھ ہیچ نظر آتا ہے، اور اپنی ساری صلاحیتیں صفر دکھائی دیتی ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس میدان میں، صرف میں ہی اکیلا نہیں، بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جیسی عبقری شخصیت بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کے سانحہ ارتحال کے وقت پر ایسی ہی کیفیت سے دوچار رہی، چنانچہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

"کسی ایسی شخصیت کے اوصاف و کمالات کے بارے میں قلم اٹھانا، جس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا خاص اجتبائی معاملہ ہو، یوں بھی بہت ہی نازک اور کٹھن مرحلہ ہے کہ ناواقف قارئین کو مبالغہ آرائی کا گمان گزرتا ہے، اور اہلِ نظر کو سطحیت، کوتاہ بیانی اور موجبِ تشنگی کی شکایت رہتی ہے، اور

حضرت امیر العلماء مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی نے
پڑھائی اور آپ کے قائم کردہ مدرسہ اشرف العلوم کی مسجد کے
قریب سلاطین کی یادگار کو ہمیشہ کے لئے ہزاروں اشکبار
آنکھوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسن
صاحب سے چند ابتدائی اسباق پڑھے اور حدیث فخر الاماثل
فخر المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور علامہ شبیر احمد
عثمانی سے حاصل کی۔ روحانی اکتساب فیض قطب العالم شیخ
المشائخ مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری سے کیا، اور سلسلہ
نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی۔ رئیس المفسرین مولانا حسین علی
واں بھچراں سے دورۂ تفسیر پڑھا اور ان سے تمام سلاسل میں مجاز
ہوئے۔ عرصہ ساٹھ سال تک فارغ التحصیل علماء فضلاء کو رمضان
المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے۔ آپ کا حلقۂ مریدین
ملک کے دور دراز حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔ تیس سے زائد کتب
تفسیر، کتب حدیث، کتب علوم تصوف کے مصنف تھے۔ ۸۹
سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ جنازے میں تقریباً چالیس ہزار سے
زائد علماء اور عوام و خواص نے شرکت کی۔ حضرت درخواستی مدظلہ
نے حضرت بہلوی کی وفات کو مولانا شیخ مدنی کی وفات کے
بعد امت کے لئے دوسرا عظیم روحانی، علمی صدمہ قرار دیا۔ آپ
نے فرمایا مجھے ان کی جدائی کی وجہ سے ناقابل تلافی صدمہ
پہنچا۔ پسماندگان میں تین صاحبزادے اور چار بیٹیاں اور ایک

تعلیم:

ترمذی کے سبق پڑھائے، پھر وہ مکہ معظمہ چلے گئے، وہ اس سفر
میں اسیر مالٹا ہوگئے۔ پھر امام العصر، محدث العصر، حضرت
مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد
عثمانی قدس سرہ اور کامل اکمل حضرت مولانا سید اصغر حسین قدس
سرہ کی خدمت بابرکات میں اسباق شروع ہوئے۔" (ص ۱۱)

تکمیل:

دینی مدارس میں دورۂ حدیث کے بعد عموماً ایک سال مزید پڑھایا جاتا ہے، جسے مدارس کی اصطلاح میں "تکمیل" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت بہلوی قدس سرہ دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علاقہ اوچھراں کی مضافاتی بستی "کے ارائیں" جو اس وقت دینی علوم کا ایک بہترین مرکز شمار ہوتی تھی، تشریف لے گئے، جہاں قطب وقت حضرت مولانا محمد امیر بزمانی قدس سرہ علم و عمل کی بہاریں لٹا رہے تھے، وہاں تکمیل کے اسباق مکمل فرمائے۔ اس کی روئیداد حضرت بہلوی خود نوشت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

> "معقول و فلسفہ کی کچھ کتابیں رہ گئی تھیں، وطن واپس آکر تحصیل اوچھراں بمقام "کے ارائیں" مدرسہ مخزن الاسلام میں جامع الاصول والفروع، امام المعقول والمنقول، بانی پاندہ حضرت مولانا محمد امیر دامانی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان قدس سرہ کی خدمت میں میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح چغمینی، تلویح وغیرہ پڑھیں، یہ ۱۳۴۳ ہجری کا سال تھا۔" (ص ۱۱)

و مدرسہ میں رہائش طلباء کے لئے چھپر وغیرہ بنے، اسی موضع (علاقہ) کے ملک غلام محمد مرحوم نے اپنی زمین میں مدرسہ کے لئے چھپر بنانے سے نہ روکا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا۔" (ص:۱۱)

مدرسین کا تقرر:

آج کل عمومی دستور یہ ہے کہ کام سے زیادہ نام اور شہرت و ناموری پر توجہ دی جاتی ہے، اور مدرسہ کے قیام سے پہلے مدرسہ کا نام، عمارت اور اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے، مگر ارباب اخلاص کے یہاں ان تکلفات کی بجائے کام اور صرف کام ہی کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت بہلوی قدس سرہ نے پورے ۳۲ سال تک درس و تدریس اور تعلیم و تعلم میں کسی دوسرے سے مدد اور تعاون لینے کو نہ صرف روا نہیں سمجھا، بلکہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اور جب تک اپنی قوت بازو سے کام چل سکا، خود کام چلایا، البتہ جب قویٰ جواب دے گئے، ضعف و اضمحلال کا غلبہ ہو گیا اور کام بڑھ گیا تو آپؒ نے دوسرے اساتذہ کرام کے تقرر کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ حضرتؒ لکھتے ہیں:

"۱۳۶۶ھ میں احباب کی مشاورت سے ایک حافظ صاحب کو بطور مدرس بٹھایا۔

۱۳۶۸ھ میں شعبۂ کتب کے لئے ایک نجیب عالم کو مدرس رکھا، اسی طرح ۱۳۷۳ھ تک حسب ضرورت مدرس بٹھاتے رہے۔" (ص ۱۲)

بہلی سے شجاع آباد:

جب حضرتؒ کی طرف خلق خدا کا رجوع زیادہ ہونے لگا اور واردین و

سلوک واحسان یا بیعت کا تعلق نہیں تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد "نکے ارائیں" میں قیام کے دوران قطب وقت حضرت اقدس مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہ نے آپ کو باقاعدہ کسی مصلح کی تلاش کا حکم فرمایا، حسن اتفاق کہ آپ کی اصلاح وارشاد اور تربیت کا قرعۂ فال بھی ان ہی کے نام نکل آیا۔ حضرت بہلوی، حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہ سے اپنے بیعت ہونے کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب آئندہ سال نکے ارائیں میں معقول پڑھنے کے لئے حاضر ہو تو وہاں فانی فی اللہ، باقی باللہ حضرت مولانا محمد امیر دامانی معلم و مدرس تھے، دو چار مہینے کے بعد انہوں نے ایک دن تنہائی میں مجھے فرمایا (واللہ اعلم! علم سے یا فراست سے فرمایا) کہ

"کانپور میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب ابدال وقت ہیں، ان کے پاس سلوک (خدائی راستہ) سیکھنے کے لئے عریضہ لکھو!"

چنانچہ عریضہ لکھا گیا، انہوں نے جواب میں یہ الفاظ لکھے۔

"خدا طلبی با طلبی! تم عالم ہو، قرآن و حدیث پر جو ہو سکے، عمل کرو (یہ خط کا خلاصہ ہے)۔"

عریضہ کا جواب حضرت دامانی کو دکھلایا، تو فرمایا: دوبارہ خط لکھو! چنانچہ دوبارہ خط لکھا گیا، تو حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے مجھے حضرت بابا مجددؒ سے ہی سلوک سیکھنے کا

حکم فرمایا، دوسری جانب حضرت والاؒ کی خدمت میں سلوک و احسان سمجھانے کے لئے تحریر فرمایا، جب حضرت کو یہ تحریر دکھائی گئی تو حضرت نے فرمایا

"میرے ساتھ مراقبہ میں بیٹھ کرو۔"

محض اتنی اجازت بخشی، مگر فرمایا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میں ویسے ہی کچھ اوڑھ کر بیٹھ جاتا، طلباء پوچھتے کہ کیا فرمایا؟ کیا کہتا؟ کچھ فرمایا ہوتا تو بتاتا! لیکن بہرحال چند ایام کے بعد مکاشفات شروع ہوگئے، کبھی مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ پر نظر پڑ جاتی، کسی فرشتہ کی صورت مثالی نظر آجاتی، انوار وغیرہ دکھائی دیتے، لذت اور استغراق بڑھتا گیا اور مرشد سے محبت وغیرہ بھی بڑھتی گئی، غالباً چوبیسویں دن ذکر قلبی معلوم ہوا۔" (ص ۳، ۱۲)

حضرت والاؒ سے باقاعدہ بیعت:

حضرت بہلویؒ اب تک تو بس یوں ہی حسب ارشاد حضرت استاذ کے ساتھ مراقبے میں بیٹھ رہے تھے مگر باقاعدہ بیعت نہ تھے، البتہ ان سے عقیدت و محبت کا تعلق اور تلمذ کا شرف حاصل تھا، لیکن جب اس طریق کی حقیقت کھلی اور اہمیت کا اندازہ ہوا تو آپ نے باقاعدہ بیعت کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی، چنانچہ حضرت بہلویؒ لکھتے ہیں:

"چند دن کے بعد بیعت کا عرض کیا اور بیعت ہو گیا۔ حاجی الٰہی بخش صاحب صبر والے بھی میرے ساتھ ہی بیعت ہوئے، مہینہ، دو مہینے کے بعد لطیفہ روح کا سبق دیا۔" (ص ۱۳)

مولانا امیر دامانیؒ کی گرفتاری و رہائی:

حضرت بہلویؒ کو مولانا محمد امیر دامانیؒ سے باقاعدہ بیعت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت دامانیؒ کو ایک سازش کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت دامانیؒ کی گرفتاری کے بعد حضرت بہلویؒ پر جو قیامت ٹوٹی اور جو امتحانات آئے وہ ایک طویل داستان ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت بہلویؒ لکھتے ہیں:

"اس کے بعد حضرت قدس سرہ کے ساتھ ایک سانحہ پیش آ گیا، ہوا یوں کہ مدرسہ کے کسی دشمن نے سرکار میں جا کر کہا کہ فلاں فلاں جگہ میں جو ڈاکے ہوتے ہیں، ان میں مولانا صاحب کی سازش ہے۔ چنانچہ حضرت گرفتار ہو گئے اور مجھے فرما گئے کہ "میرے گھر وغیرہ اور پانی وغیرہ کی خبر گیری کرنا۔"

جب آپ گرفتار ہو گئے تو مہتمم صاحب کو یہ ناگوار ہوا کہ کوئی طالب علم مدرسہ میں رہ جائے، واللہ اعلم! کچھ کا ڈر تھا یا پیاز تھا، کہ مہتمم صاحب نے کہا کہ سب طلباء جلدی سے نکل جاؤ، تمہاری گرفتاری کے لئے آ رہے ہیں، اس پر میں بھی اپنی بے وقوفی و بے عقلی سے ڈر گیا، اور فرمان مرشد مدظلہ پر عمل نہ کر سکا، اور بجز از شرمساری کے میں مدرسے سے چلا آیا، حضرت مرشد قدس سرہ کو رہائی تو مل گئی مگر سرکار کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے وطن چلے جاؤ، چنانچہ آپ وطن چلے گئے، مگر میری شرمساری کی حد نہ تھی، کہ مدرسے سے مجبوراً نکلا تھا، مگر بہرحال تعمیل ارشاد نہ کر سکا۔" (ص: ۱۴، ۱۵)

"خدا طلبی، بلا طلبی" کا ظہور:

حضرتؒ کو جب تمام طلبہ کے ساتھ مدرسہ سے فارغ کر دیا گیا تو اگرچہ آپ اپنے گھر واپس آ گئے، مگر اپنے شیخ کے فرمان کی عدم تعمیل نے آپ کی ذہنی کو بالکل رکھ دیا اور اس نے ایک روگ کی شکل اختیار کر لی۔ جس سے آپ کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی، چنانچہ آپ اپنے اس اضطراب و پریشانی کے دور کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "گھر آتے ہی قلب اضطراب میں پڑ گیا۔ وہ "خدا طلبی بلا طلبی" کا ظہور شروع ہو گیا۔ کسی کروٹ چین نہیں تھا، گھر پڑھا کر آتے۔ اگرچہ طلبہ بھی پڑھ رہے تھے، بڑی چھوٹی کتب کی تعلیم بھی ہو رہی تھی، شاید اپنے اضطراب میں بھی تقریر صحیح ہوتی ہوئی، کیونکہ طلبہ پڑھ رہے تھے۔ کئی بار خودکشی پر آمادہ ہوا، اور اس کے لئے سم (زہر) لے رکھا تھا، چونکہ کنواں قریب تھا، اس میں دو دو ڈوب مرنے کو آمادہ ہوتا، مگر ہر بار کوئی مانع آ جاتا۔ وہاں سے آ کر پھر تعلیم میں مصروف ہو جاتا، کبھی جوش آتا کہ گھر سے چھوڑ کر جنگل میں نکل جاؤں، اس ارادہ پر اٹھتا، مگر کوئی چیز آڑے آ جاتی، پھر آ کر تعلیم میں مشغول ہو جاتا" (ص ۱۵)

حضرت مولانا فضل علی شاہ قریشیؒ کی خدمت میں:

اسی اضطراب کے دور میں آپ کے ایک دوست مولانا اللہ دتہ صاحب، آپ کو حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں لے گئے کہ شاید آپ کی اس

کیفیت کا مداوا ہو جائے مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق آپ کے اضطراب میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اسی دوران میں آپ کو حضرت قریشیؒ نے اجازت وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں:

"اسی اثناء میں خوش قسمتی سے حضرت مولانا افضل علی شاہ قریشی مسکین پوری ضلع مظفر گڑھ سے مرید ہوا۔ بالفضل اولاد لقد ذکر صاحب جو بڑے عالم تھے مجھے زیارت کے لیے مسکین پور اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں حضرت کی خدمت میں ساری کیفیت عرض کی تو انہوں نے فرمایا:

"آپ کی مشکل ہے، ہم اور حضرت مولانا محمد امیر صاحب ایک ہی مرشد کے خلیفہ ہیں، اس جگہ رہنے میں کوئی نقص نہیں، طوطے پکڑتے رہیں۔"

حضرت مسکین پوری بڑے جذب والے بزرگ تھے، جتنی مریدوں کو وجد حال اور سکر طاری تھا۔ بندہ کو بھی حالات و کیفیات، کشف انوار، استغراق اور کشف قبور و قلوب وغیرہ زیادہ ہو گئے، حتیٰ کہ بہت عنایت ہوتے چلے گئے اور بہت جلدی تک اسی طرح ہو گئے۔ مگر اضطراب بڑھتا ہی گیا: "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!" اضطراب اور بھی بڑھتے گئے، حضرت مولانا افضل علی قریشی صاحب نے خلافت بھی دے دی، مگر مدہوشی، اضطراب، اور قلق والے کو خلافت سے کیا کام؟"

([illegible])

علی صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پتہ تو چلا، سلوک کے تمام مقامات بس لطائف طے کرنے اور اجازت بخشی، پھر اپنے مرشد مدظلہ کی خدمت میں گجرات کاٹھیاواڑ ضلع بھروچ تحصیل جنگلاؤ بھیجا، میرے زعم میں وہاں حاضر ہوکر نکلیں اور امتحان تو حضرت مرشد مولانا امیر علی صاحب مدظلہ العالی کی جانب سے بہت آئے، مگر آخر میں بڑی کرم بخشی فرمائی، کرامتیں بھی ظاہر ہوئیں، اور اجازت طریقہ بھی بخشی، واپس غریب خانے پر آیا، مگر اضطراب کم نہ ہوا، اور اضطراب کے باعث خلافت پر بھی نظر نہ تھی، بلکہ وہ چیزیں پیش نظر تھیں جن کے نہ ہونے سے اضطراب تھا:

اے زیرکی طبع پریشان شدی

وہ مقامات عالیہ، جن کی طلب میں پریشان تھا، وہ نہ ملے، دور نظر آنے کی وجہ سے قلق، اضطراب اور پریشانی تھی۔"

(ص ۱۲، ۱۷)

حضرت مولانا محمد عمر چشموئیؒ سے اکتساب فیض:

اگر طلب صادق ہو تو گوہر مقصود حاصل کرنے کے لئے بڑے سے بڑے مجاہدے اور مشقت سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، اور سکون دل کی دوا حاصل کرنے کے لئے در در کی خاک چھاننے سے بھی عار نہیں ہوتی۔ جن دنوں حضرت بھلویؒ کے شیخ حضرت ولامائیؒ ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے اور وہ قلق و اضطراب سے دوچار تھے، ان کو اہل قلوب کا جہاں سے بھی پتا معلوم ہوا، وہاں پہنچے اور عرض مدعا کیا کہ شاید کہیں

سے ان کو وارد نے شغل مل جائے، چنانچہ حضرت نے اس غرض سے مولانا محمد عمر صاحب کی خدمت میں حاضری کے لئے کوئٹہ اور اس سے آگے چشمہ شریف کا دور دراز سفر کیا۔ اس سفر میں آپ دو بار گرفتار بھی ہوئے، مگر تحصیل مقصود سے پیچھے نہیں ہٹے۔ حضرت، سفر کوئٹہ اور چشمہ شریف کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے بعد احقر نے قصد کیا کہ پیر طریقت و بزرگ زماں جناب حضرت مولانا محمد عمر جان چشتونی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری دوں، چونکہ چشمہ شریف، کوئٹہ کے بعد چمن کی سڑک کے قریب تقریباً آٹھ دس میل پر ہے، جب سوئی دھوا پہنچا تو جاسوسی کی تہمت میں گرفتار کر لیا گیا، آخرکار انہوں نے کوئٹہ کے قریب ایک تھانے میں قید کر دیا، اور نگرانی کے لئے محافظ مقرر ہوئے۔ جب بارگاہِ الٰہی میں زیادہ التجا، آہ و زاری اور رونا گڑگڑانا بڑھا تو چند دن کے بعد کمشنر کوئٹہ کے پاس پیشی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کے قلب میں رحمت ڈالی، اور اس نے مجھے چشمہ شریف جانے کی اجازت دے دی۔

وہاں حاضر ہوا تو حضرت قدس سرہٗ گھر پر موجود نہ تھے، دو تین دن کے بعد تشریف لائے، حال احوال پوچھا، عرض کیا مگر اس غرض کی اتفاق گرفتاری اور قید کا ذکر بھی آ گیا، اس پر غالباً حضرت مدظلہ کے خیال مبارک میں آیا کہ یہ حاضری کا احسان جتا رہا ہے، جس پر ناراض ہو کر فرمایا: کس نے خط لکھا تھا کہ آ جاؤ؟ اس پر معذرت کی، معافی مانگنے پر بڑی توجہ سے کہا، اب تو مجھ پر شفقت و مہربانی کرنا چاہتے تھے، اس قدر نہ

گزری۔ سارا دن ان کے کتب خانے میں رہتا، اس میں اسلحہ بھی
تھا، مگر مجھے وہاں رہنے سے نہ روکا گیا۔ حضرت دن میں بار بار
آتے، دیکھتے اور واپس تشریف لے جاتے، آخرکار میں سردی
سے تنگ آ گیا، اور واپسی کی درخواست کی تو اجازت دے دی۔

اجازت دیتے وقت ایک جگہ بٹھلایا اور وہ تقریر فرمائی
کہ جس سے مجھے اپنے ذاتی عیوب و احوال کا انکشاف ہوا، آخر
میں مشرب محمدی کی بشارت عطا کی اور فرمایا کہ تیرا مشرب محمدی
ہے، اور سلوک کے جتنے اسباق پہلے تھے، ہر سبق پر مجاہدہ طے
فرمایا اور رخصت کیا۔

پورا ایک برس محنت کی، دوسرے برس پھر حاضر ہوا تو
پھر گرفتار اور مقید کرایا گیا، مگر اس بار اضطراب کم تھا، رہائی کے
بعد جب خدمت میں حاضر ہوا تو بہت عنایات فرمائیں اور
فرماتے رہے کہ بندہ نے مشرب محمدی کی جو بشارت دی تھی،
بے شک وہ صحیح اور صدق ہے، اور فرمایا کہ:

"حضرت مولانا مرشدی، جامع الاصول والفروع،
جناب محمد عمر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت مبارک میں جاؤ۔"

(ص ۱۹۰)

حضرت دامانیؒ کی خدمت میں حاضری:

مولانا محمد عمر صاحبؒ کے حسب ارشاد جب واپس آئے تو حضرت بیلویؒ نے
ہمت کر کے اپنے شیخ حضرت دامانیؒ کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا۔ حضرت بیلویؒ

اس حاضری کی تفصیلات یوں بیان فرماتے ہیں:

"جب گھر واپس آیا تو حضرت کی خدمت میں جانے کی تیاری کی مگر بڑا شرمندہ کہ سر پہ گٹھری رکھ کے کیسے منہ دکھلاؤں گا؟ بہرحال چل پڑا، جیسے کیسے کر کے روضہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان حاضر تو ہو گیا، مگر آنکھ نیچی تھی، بات نہ کر سکتا تھا۔ حضرت کی عنایت بے نہایت نے سہارا دیا۔ جب حالات سنائے، تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا "ایسا ہونا تھا!" پھر وہ مبارک الفاظ "خذ طلی بلا طلبی" پڑھ دیئے۔ جب رخصت کا وقت آیا تو اپنے دولت خانے پر بلایا۔ جب حاضر ہوا تو ہر سلسلے میں اجازت عطا فرمائی۔ (اور وہ آٹھ سلاسل یہ ہیں: نقشبندیہ مجددیہ، احمدیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ اور شطاریہ) اور فرمایا: "پڑھتا رہنا" عرض کیا: حضرت! ہم کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: "احسب انی من اسماء انبک" اور پھر رخصت کیا۔

جب گھر واپس آیا تو حضرت صاحب نے کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی، خلافت کا کوئی کام دل پہ نہ آسکا۔" (ص ۱۸)

حضرت دامانیؒ کی خدمت میں دوسری حاضری:

اگر کسی جاہ طلب اور مفاد پرست کا مطلب نکل جائے یا اس کو کہیں سے خلافت نام کی کوئی شے مل جائے تو شاید وہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، لیکن ان حضرات کا مقصد خلافت و اجازت اور شہرت و نام وری کے بجائے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، وہ خلافت و اجازت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ حضرتؒ خلافت و اجازت

کے بعد اپنی حالت و کیفیت اور تعلق شیخ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"دوبارہ حاضر ہوا، تو حضرت نے پوچھا: اصلاح و ارشاد کا کام شروع کیا؟ عرض کیا: حضرت! مجھ جیسے سے کیا ہو سکتا ہے؟ مگر آپ نے مجبور کیا اور بار بار فرمایا کہ "یہ کام ضرور ضرور کرو!" عرض کیا: حضرت! میں نہ سید ہوں اور نہ پیر زادہ، مجھ سے کون بیعت ہوگا؟ پھر بدعت کی نفرت کی وجہ سے لوگ مجھے وہابی کہتے ہیں، مجھ سے اللہ کا نام کون پوچھے گا؟ مگر حضرت نے یہ عرض بھی نہ سنی، اور مجبور کیا۔ بہرحال گھر آکر تعمیل فرمان میں کسی کو از خود بتلایا، تو اس کا ذکر جاری ہوگیا، جس سے شہرت بڑھتی گئی، سہ بارہ حاضر ہوا، اور حال احوال سنائے تو خوش ہوئے، اس وقت آپ بیمار تھے، اسی موقع پر فرمایا کہ:

"اگر تصوف میں کوئی عقدہ آجائے تو حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں جو متقی اولیاء ہیں، ان کے پاس عقدہ کشائی کے لئے جانا۔"

مجھے اپنی کند ذہنی کی وجہ سے ان کے ایسے الفاظ سے بھی ان کی وفات کے قریب ہونے کا خیال نہ آیا، بہرحال حضرت شیخ درجت قدس سرہ کی وفات حسرت آیات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون!" (ص ۱۸، ۱۹)

حضرت مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں:

سالکین حقیقی اپنے نفس سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ اس سے

سے آگاہی ہوئی تو اشکالات رفع ہو گئے، چنانچہ حضرتؒ اس کی تفصیلات یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''گھر آکر ترجمہ پڑھانا شروع کیا، تو گرد و نواح کے علماء اس کو تفسیر بالرائے کہنے لگے، لیکن جب حقیقت سنی تو وہ بھی معتقد ہو گئے، ان میں سے بعض تو وہاں حضرت مولانا حسین علی مدظلہ کی خدمت میں ترجمہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، جیسے مولانا یار محمد مرحوم اور استاذ محترم حضرت مولانا غلام رسول صاحب پونٹوی مدظلہ اور بعض نے سکوت اختیار کر لیا۔

جب حضرت اقدس مولانا حسین علی صاحب مدظلہ کی خدمت میں تھا، تو خواب دیکھا کہ حضرت مذکور قطب وقت ہیں، حضرت کی خدمت میں خواب عرض کیا، تو فرمایا کہ مرتبہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ''العلماء ورثة الانبیاء'' کا منصب ہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ قطب کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہی ہی دین و دنیا کے کام کرتا ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سعادت سے لوگوں کے دینی و دنیوی کام آسان فرما دیتا ہے، اور مشکلیں دور کرتا ہے:

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔''

[ص ۳۰]

حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"وہ حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک دنیا
کا حریص اور دوسرا علم کا حریص۔"

ہمارے حضرت بہلوی قدس سرہٗ بھی حریص علم تھے، اس لئے انہوں نے علم وحکمت کے ہر دروازے پر دستک دی، اور وہاں سے اکتساب فیض کیا، چنانچہ آپ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری کی تفصیلات ارشاد فرماتے ہیں:

"اس کے بعد دوسرے سال مجاہد ملت حضرت مولانا
محمد علی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوکر ترجمہ
پڑھا، تو قرآن مجید میں رنگ، نسل، جان، مال، وطن اور آبرو
قربان کرنے کا پیغام اور سلیقہ موجود پایا۔ مولانا لاہوریؒ بڑے
کشف وفراست والے بزرگ تھے، انہوں نے میری حالت
دیکھ کر فرمایا: میرے ساتھ چلو! خلاصہ یہ کہ ساتھ لے گئے اور
حضرت مرشد جناب مولانا تاج محمود امروٹی سندھی قدس سرہٗ کی
خدمت میں میرے متعلق عریضہ لکھا اور ساتھ ہی اپنی حاضری کا
بھی کہا۔" (ص:۴۰)

حضرت بہلویؒ خانقاہِ امروٹ میں:

اگرچہ حضرت بہلویؒ اب تک متعدد اقطاب وابدال سے اکتساب فیض کرچکے تھے، مگر سچی بات یہ ہے کہ تا حال وہ اپنے آپ کو سلوک واحسان کی منزل کا راہ نورد اور مسافر سمجھتے تھے، اس لئے وہ گوہر مقصود حاصل کرنے کے لئے امروٹ، سندھ کے دور دراز سفر کے لئے روانہ ہوگئے، حضرت لکھتے ہیں:

"وہ تین دن پہلے بندہ اور دو تین دن کے بعد

حضرت لاہوری امروٹ شریف حاضر ہوئے، حضرت امروٹیؒ کی
خدمت میں حال عرض کئے، آپ نے حال سنا اور پہچان لیا اور
کشف کی بہت سی چیزیں ظاہر فرمائیں، اس وقت ایک
سرکاری نہر کھودی جا رہی تھی جس کی زد میں مسجد آ رہی تھی،
حضرت قدس سرہٗ نے اعلان کر دیا تھا کہ یا تو نہر کا رخ بدل دو
ورنہ میرا اعلانِ جنگ ہے، اس کے لئے آپ سے ہزاروں مرید
اور جاں نثار جمع ہو رہے تھے کہ اگر نہر کا رخ نہ بدلا گیا تو جان کی
قربانی دینا ہوگی۔ اس کے لئے نہر کے قریب میدانِ جنگ
بنایا گیا اور بندہ بھی اس میدان کے صاف کرنے والوں میں
منتخب کیا گیا۔ بعض رفقاء نے بتایا کہ حضرت میرا نام لے کر
پوچھتے کہ فلاں شخص کیسے کام کر رہا ہے؟ سب سے آگے ہے یا پیچھے
ہے؟ بہرحال میں کام کرتا رہا، چند دن گزر گئے پھر وہ دن بھی
آ گئے کہ نہر مسجد کے قریب آ گئی، اب فدائیوں کا انتخاب کیا جانے
لگا کہ کون کون شخص جان دینے کے لئے تیار ہے؟ ان نام
لکھنے والوں میں بندہ کا دوسرا نمبر تھا، آخرکار ایک دن حضرت
مولانا احمد علی صاحب نے میرا نام لے کر پکارا کہ فلاں کہاں
ہے؟ اس پر میں حاضر ہو گیا، تو حضرت نے اپنے پاس رکھ لیا۔
اس کے بعد حضرت امروٹیؒ، مولانا لاہوریؒ اور بندہ ایک ہی
دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، ادھر سرکار نے بھی نہر کا رخ بدل
دیا اور جنگ تک نوبت بھی نہ آئی، آخر میں حضرت قدس سرہٗ نے
سلسلہ قادریہ کے بہت سے اذکار تلقین فرمائے۔" (ص ۲۰، ۲۱)

شکر یہ ہے کہ اس کے ذریعے اضطراب رفع ہوا، جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ، چونکہ اس بزرگ نے وعدہ لیا تھا کہ میرا نام اور پتا کسی کو نہ بتلانا، اسی لئے ان کا نام پاک نہیں لکھا جارہا۔" (ص:۱۱،۲۲)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں:

حضرت بہلوی قدس سرہ نے اگرچہ باقاعدہ بیعت تو حضرت دامانیؒ سے کی تھی، مگر انہوں نے اس دور کے اساطین علم و فضل، اصحاب سلوک و احسان اور مجددین طریقت سے بھرپور استفادہ کیا، چنانچہ حضرتؒ، خانقاہ تھانہ بھون کی حاضری اور حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت کے انداز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سلوک و احسان کے قواعد، اصول، فروع، امراض قلبیہ کے علاج اور مجاہدات کی تفصیل میں بندہ کا زیادہ تر طریقۂ کار حضرت مجدد الملت و حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ مصنف تفسیر "بیان القرآن" سے ماخوذ ہے، راقم کی ان کے پاس تین، چھبیس برس تک آمد و رفت اور خط و کتابت رہی ہے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ خانقاہ کے مدرسہ کا معلم سبق پڑھا رہا تھا، کہ میں اپنی بے عقلی سے سبق سننے کے لئے درس گاہ میں چلا گیا، اُدھر حضرت اپنی نشست گاہ سے مجھے دیکھ رہے تھے، میں معلم کے پاس بیٹھا سبق سن ہی رہا تھا، کہ اتنے میں حضرت وہاں تشریف لے آئے اور تنہا غصہ ہو کر صد تحیں، پھر

فرمایا: تم نے اپنی آزادی میں کیوں خلل ڈالا؟ اور یہ قصد کیا کہ اچھا پڑھاتا ہے یا نہیں؟ دوم یہ نظم کی آزادی کا نقصان کیا کہ اگر ذہنی تقریر کرے تو طالب علم کا نقصان، اور اگر طالب علم کی استعداد کے موافق تقریر کرے، تو معلم کی تنگی ہے کہ اس کو تقریر کرنے کا لطف نہیں آتا، جس سے طالب علم اور معلم دونوں کا نقصان ہے۔

سبحان اللہ! کیا ہی تعلیم تھی حضرت حکیم الامت کا ہر فعل و قول حکمت ہی حکمت تھی، اور شریعت کی تائید اور سنت کی موافقت تھی۔ اللّٰھم ادخلہ جنۃ الفردوس بغیر حساب، آمین!

ان ہی سے صحیح تصوف کا پتا چلا، کہ صحیح سلوک پر صحیح طور پر عمل نہ ہوتی تو یہ رونما ہوا اور کیا اب نہ ہو گا، طریقت و حقیقت کی رسم کبھی کوئی راہ طے نہ کر سکا حق کا بول بالا ہے اور مغرور پرست سے محتاط ہو، کوئی بے پروا نہ ہو گا۔ اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وسددنی، اللّٰھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی، اللّٰھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک۔ آمین" (ص: ۴۳،۴۴)

مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں:

"حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں سے بھی ملے اس کو لے لینا چاہیے" کے مصداق آپ نے اپنے دور کے اکابر و اصاغر سے اپنی متاع لینے سے بھی

جذب محسوس کیا گیا، چنانچہ ایک سفرِ حج میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت میسر آئی تو ان
سے بھی بھرپور فیض حاصل کیا، جس کی تفصیل حضرتؒ نے یوں بیان کی ہے

"پہلا سفرِ حج جس میں بزرگ ساتھ تھے، اس میں
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہٗ سے بہت کچھ علمی و روحانی
فیض حاصل کیا۔" (ص:۴۲)

قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں:

بلاشبہ حضرت بہلوی قدس سرہٗ اپنے وقت کے قطب الاقطاب کے درجے پر فائز تھے، مگر آپؒ پر اخفا اور فنائیت کا غلبہ تھا۔ آپؒ نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور طالب علم سمجھا۔ آپؒ میں عظمت و بڑائی نام کو نہ تھی۔ آپ کی کسر نفسی اور سادگی کو دیکھ کر کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ بھی کوئی بڑے بزرگ یا اللہ والے ہیں؟ چنانچہ اسی فنائیت کے جذبے کے تحت آپ ایک سفر میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ: حضرت! آپ مجھے بیعت فرما کر اپنے حلقے میں داخل فرما لیں، اس عجیب روح پرور واقعے ... جس میں وقت کا ایک قطب، دوسرے قطب سے بیعت کی درخواست۔ اور دوسرا انکار کر رہا تھا... کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت مولانا نعمانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ ایک مرتبہ سفرِ حجاز کو
روانہ ہوئے اور بعدہٗ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضری
ہوئی، پھر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی
رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیارت کے لئے تشریف لے گئے،

حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت بھلویؒ کی شخصیت سے اچھی طرح
واقف تھے۔ جب حضرت بھلویؒ نے اصرار فرمایا کہ آپ مجھے
اپنے سلسلہ چشتیہ میں داخل فرمالیں تو حضرت شیخ الحدیثؒ برابر
ٹال فرماتے رہے اور فرمایا کہ آپ تو باکمال ہیں آپ کو بیعت
ہونے کی ضرورت نہیں لیکن حضرت بھلویؒ نے عرض کیا میں
آپ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو کر آپ سے اور آپ کے
بزرگوں سے صرف نسبت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ سلسلے سے تعلق
نسبت ہونے کے لئے مجھے بیعت فرمالیجئے۔ الغرض کافی اصرار
کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت بھلویؒ ایک کمرہ میں
تشریف لے گئے اور کافی دیر تک دونوں بیٹھے رہے۔ جب باہر
نکلے تو دونوں چہرے سے تر تھے پھر حضرت شیخ الحدیثؒ نے
حضرت بھلویؒ کو اپنے خلفاء میں داخل فرمالیا۔ اس واقعہ کو
حضرت بھلویؒ نے خود بیان فرمایا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے
بعض خدام بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں۔"

(حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء ج ۲ ص ۳۰۳)

حضرت بھلویؒ کے سلسلے:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ علوم و احسان کے بحر ذخار قطب
الارشاد حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بھلوی قدس سرہ کو اپنے شیخ حضرت مولانا محمد
امیر والی نور اللہ مرقدہ اور دیگر مشائخ تصوف سے تقریباً آٹھ سلاسل میں اجازت و
خلافت حاصل ہوئی مگر حضرت بھلویؒ نے زیادہ تر سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ کے ذریعے

خلق خدا کی اصلاح فرمائی، چنانچہ حضرتؒ اپنے رسالہ "فیض زمانی رحمت صمدانی" میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ

"اب اس وقت ہر دو سلسلہ نقشبندی و قادری میں لوگوں کی زیادہ آمد و رفت ہے، نقشبندی میں قادری سے زیادہ ہے اسی طرح دوسرے سلسلوں والے بھی آتے جاتے ہیں۔"

(ص ۴۴)

غالب گمان یہی ہے کہ حضرتؒ کا میلان طبع بھی زیادہ تر ان دو سلسلوں کی جانب رہا، پھر ان دو میں سے بھی نقشبندی اکابر کی نسبت کا پرتو زیادہ تھا اس لئے آپؒ کا سلسلہ نقشبندیہ کا بزرگ اور امام سمجھا جاتا تھا، ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے، آپؒ ہر سلسلے کے امام اور مقتدا تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں شہرت کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپؒ کے شیخ اوّل حضرت دامانیؒ پر بھی نقشبندیہ کا رنگ غالب ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؒ کے مشائخ طریقت میں سے زیادہ تر وہ تھے جن کو اگرچہ اجازت تو تمام سلاسل میں تھی، مگر بالفعل وہ سلسلہ نقشبندیہ کو انفع سمجھتے ہوں اور خلق خدا کو اسی طریق سے باخدا بناتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب!

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت، "[illegible]" مدرسہ معین الاسلام لودھراں سے تکمیل اور حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہ کی گرفتاری کے بعد آپ اپنے وطن مالوف علاقہ بھکی میں تشریف فرما ہوئے۔ اور حسب سابق درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ساتھ ساتھ اصلاح باطن کے لئے اساطین علم و فضل سے سلوک و احسان کی تعلیم

حاصل کرتے رہے۔ تکمیل تربیت کے بعد آپؒ نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی طرف بھی توجہ دی۔

ابتدائی ایام میں آپ نے ابتدائی مکتب قائم کیا، مگر بہت ہی جلد درس نظامی کی تعلیم و تدریس کی طرف توجہ دینا پڑی، چنانچہ آپؒ کی خداداد صلاحیت و قابلیت کی شہرت ہوئی تو دور دور سے شائقین علوم دینیہ پروانہ وار آپؒ کے حلقۂ درس میں آنے لگے۔ آپؒ کے ہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ مدرسہ کی عمارت، لیکن توکلاً علی اللہ اسلاف کی طرز پر چھپر ڈال کر ان "بستانِ رسول" کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اس دور میں موجودہ طرز کے مدارس اور طلبہ کے لئے مطبخ و دوسری آسائشوں کا تصور نہیں تھا، بلکہ طلبہ قریب قریب کی بستیوں سے روٹیاں مانگ کر لاتے اور اسی قوت لایموت پر گزارہ کرتے۔ اسی طرح مدرسین کے لئے نہ تو تنخواہ کا کوئی انتظام تھا اور نہ ہی اسباق کی تعیین تھی، بلکہ مدرسہ میں موجود طلبہ کے تمام اسباق مدرسہ میں موجود اساتذہ پر تقسیم کر دیئے جاتے، چنانچہ بعض اوقات ایک استاذ بیس بیس سبق پڑھاتا، ٹھیک اسی طرح حضرت بھلوی قدس سرہ بھی ایک عرصہ تک ابتدائی فارسی سے لے کر مشکوٰۃ شریف، بلکہ دورۂ حدیث تک کے اسباق پڑھاتے رہے، جبکہ واردین و صادرین اور سالکین طریقت کی تعلیم و تربیت اس پر مستزاد تھی۔ چنانچہ ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۶۷ھ تک پورے ۴۲ سال آپؒ نے اپنی مدد آپ کے تحت بھلی میں اس درس گاہ کو رونق بخشی۔
جب آپؒ کی عمر شریف ۵۵ سال کی ہوئی، طبیعت میں ضعف و اضمحلال آ گیا، مصروفیات بڑھ گئیں، سالکین طریقت کا رجوع آپؒ کی طرف زیادہ ہو گیا اور دور دور سے مخلوق خدا کھنچی ایسے دور افتادہ دیہات کی طرف امڈ آئی، تو مجبوراً آپؒ کو تعلیم و تدریس کے لئے ابتدائی طور پر درس قرآن کے لئے ایک حافظ صاحب اور پھر اگلے سال شعبۂ کتب کے لئے ایک ماہر مدرس عربی کا انتظام کرنا پڑا۔ یوں آپؒ نے درس

نقاہت کی باقاعدہ تدریس ۴۲ سال بعد مجبوراً موقوف کردی۔ لیکن عمر بھر جب تک ہمت رہی، شعبان، رمضان میں ترجمہ و تفسیر قرآن کے دورہ کا معمول بدستور جاری رہا۔

تصنیف و تالیف:

حضرت قدس سرہ کوئی باقاعدہ انشاء پرداز یا مصنف نہ تھے۔ مگر آپؒ نے اپنی تعلیمی، تدریسی اور اصلاحی مصروفیات کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت اصلاح خلق کے جذبہ سے مختلف اوقات میں متعدد رسائل و کتب تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ آپؒ کی بعض تصانیف پر بنگال کا پتہ درج ہے، اور بعض پر شجاع آباد کا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ نے یہ تصانیف کسی فرصت کے دور میں تالیف نہیں فرمائیں، بلکہ عین شباب اور مصروفیات کے عروج کے دور میں بھی آپؒ اس طرف متوجہ رہے۔ میری ناقص معلومات کے مطابق آپؒ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اسّی سے اوپر ہے، مگر افسوس کہ آپؒ کی تمام تصانیف محفوظ نہیں رہ سکیں، اور اس طرف کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی۔ بعض تصانیف تو سرے سے طبع ہی نہیں ہوئیں، اور جو طبع ہوئی ہیں، ان میں سے بھی بیشتر ایسی ہیں جو ایک بار طبع ہونے کے بعد نایاب ہیں، حضرتؒ کے متعلقین کو چاہئے کہ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں کہ ان پر حضرتؒ کا حق ہے کہ وہ ان کے علوم و معارف کو زندہ رکھیں اور امت تک ان کو پہنچائیں۔ اسی طرح جن حضرات کے پاس حضرت کے قلمی اوراق ہیں، مثلاً تفسیر بہلوی جس کا نصف سے زیادہ حصہ تاحال تشنۂ طباعت ہے، ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کا فوٹو راقم کو بھیج دیں۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت وہ حضرات یا ان کی اکثریت جنہوں نے براہ راست حضرت اقدسؒ کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا، اس دنیا سے اٹھ گئے ہیں، یا پھر وہ وسائل کی کمی کا شکار ہیں، یا ان کو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے، جبکہ یہ ایک حقیقت

ہے کہ جن اکابر کے علوم و معارف یا ان کی شخصیت سے کل امت متعارف ہے، اس میں ان کے خلفاء، پسماندگان اور متعلقین کا بڑا دخل ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علوم و معارف کی بقا میں جہاں ان کے خلوص و اخلاص کا دخل ہے، وہاں ان کے باخلاص تلامذہ اور مصاحبین کی جد و کاوش اور جدوجہد کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ ایسے ہی دورِ حاضر کے حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے علوم و معارف کو بقا حاصل ہے، اور دورِ حاضر کا بچہ بچہ ان کے کمالات علمی و عملی سے آشنا ہے، اس کا راز بھی یہی ہے کہ ان کی ایک ایک بات کو ان کے تلامذہ اور متعلقین نے دل و جان سے زیادہ عزیز جان کر ان کو محفوظ کیا، مرتب کیا، اور تزئین و طبع سے آراستہ کیا اور قوم تک پہنچا دیا۔

بہرحال حضرت بہلوی کے موجود دستیاب رسائل و کتب کی فہرست درج ذیل ہے:

۱... بشارات التوحید (اول، دوم، سوم) (اردو)

۲... نتیجۃ الافکار فی حیات سید الابرار (اردو)

۳... سیرۃ النبی کی جھلکیاں (اردو)

۴... القول النقی فی سیرۃ النبی (اردو)

۵... تحفۂ صبیہ (اردو)

۶... وسیلۂ نجیہ (اردو)

۷... قوانین تعلیم و تربیت شرعیہ (اردو)

۸... فوائد قرآنی المعروف اصطلاحات القرآن (اردو)

۹... القول الوجیز فی اصول علم التجوید (اردو)

۱۰:... الملفوظات المرادیہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ (اردو)

۱۱:... ترکیب منکرات در صدقہ جمعرات (اردو)

۱۲:... تین استفتاء کے جوابات (اردو)

۱۳:... تعظیم الشعائر (اردو)

۱۴:... تحفۃ الفقیر الی اللہ (اردو)

۱۵:... آداب الدعا (اردو)

۱۶:... کتاب الادعیۃ والتعویذات (اردو)

۱۷:... فیض روحانی رحمت صمدانی (اردو)

۱۸:... اصلاح النفس (اردو)

۱۹:... تزکیۂ روحانی (اردو)

۲۰:... معارف السلوک (اردو)

۲۱:... مسائل تصوف (اردو)

۲۲:... نکات التصوف (اردو)

۲۳:... تصوف اہل صفا (اردو)

۲۴:... آداب الشیخ والمرید مع فوائد متفرقہ (اردو)

۲۵:... التصرف فی حقیقۃ المرید والتصوف (اردو)

۲۶:... تربیت المرید بذکر الحمید (اردو)

۲۷:... ترک المنکرات (اردو)

۲۸:... ترک السیئات مع درک الحسنات (اردو)

۲۹:... محاسبۃ الاعمال فی الغدو والآصال (اردو)

۳۰:... تصفیۃ الاعمال (اردو)

جبکہ حضرتؒ کے روزانہ کے بیانات، مواعظ، دروس اور مجالس علمی کے شہ پارے اس سے مستزاد ہیں، علاوہ ازیں اصلاحی مکاتیب اور خطوط کا ذخیرہ بھی انمول خزانہ تھا، جس کو بدقسمتی سے کسی نے محفوظ نہیں کیا، یا پھر ان کو منصۂ شہود پر لانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ چنانچہ راقم الحروف نے اپنے بچوں کے نانا اور حضرت بہلویؒ کے خلیفہ اجل حضرت قدس قاری شیر محمد سیار پوری ساکن پنج میدان سندھ کے تذکرہ میں آج سے چند سال پیشتر ان کی وفات کے موقع پر، ان کے نام حضرت بہلویؒ کے چند مکاتیب ماہنامہ "بینات" میں شائع کئے تھے۔ مقام شکر ہے کہ اب

حضرت مولانا محمد عابد مدظلہ مدرس جامعہ خیرالمدارس (ملتان) نے حضرت قاری صاحبؒ کے نام حضرت بہلوی قدس سرہ کے دستیاب پچاس مکاتیب کو یکجا شائع کر کے لائق قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسی طرح موصوف نے حضرت بہلوی نوراللہ مرقدہ کے دوسرے دستیاب مکاتیب مبارکہ کا ایک معتدبہ ذخیرہ بھی شائع کیا ہے۔

حضرتؒ کی تصانیف کا اجمالی تعارف:

عام طور پر کتاب کا نام اس میں درج مضامین کا آئینہ دار ہوتا ہے، اور نام دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کس موضوع اور مضمون کی کتاب ہے؟ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بہلویؒ کی درج بالا تصانیف کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

ا:... اشاعت التوحید:

حضرت بہلویؒ نے جس علاقے میں کام شروع کیا، وہاں زیادہ تر شرک و بدعات کا دور دورہ تھا۔ آپؒ نے قرآن و سنت اور توحید پرستی کی دعوت دی، پیش نظر کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں توحید پرستی اور اس کی اشاعت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۲:... خیر الاذکار فی حیات سید الابرار:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس رسالے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا تذکرہ ہے، جس میں درج ذیل عنوانات کے تحت داد تحقیق دی گئی ہے:
حضور شفیع المذنبینؐ کے بعض فضائل، آپؐ بعد وفات ظاہر کے بھی زندہ ہیں، خواب میں آپؐ کی زیارت، شفاعت کی اقسام، آپؐ کی پیدائش، صفات و

کمالات، ولادت سے وفات تک کے مختصر احوال، آپؐ کے بعض شمائل، اخلاق و عادات، آپؐ کے بعض معجزات، عالمِ معانی میں معجزہ، عالمِ ملائکہ میں معجزہ، عالمِ انسان میں معجزہ، ظہورِ برکت، شفائے مرضیٰ، قہرِ بے ادباں، عالمِ جن میں معجزہ، عالمِ علوی افلاک و کواکب میں معجزہ، عالمِ بساط میں معجزہ، آب میں معجزہ، ہوا میں معجزہ، عالمِ کائناتِ جو میں معجزہ، عالمِ جمادات و نباتات میں معجزہ، عالمِ حیوانات میں معجزہ، آپؐ کی بعض خصوصیات، دعا کے وقت آپؐ کا وسیلہ پکڑنا۔ اس رسالے پر اس دور کے اکابر علمائے اُمت کی تصدیقات ثبت ہیں، یہ رسالہ ۱۳۵۳ھ میں تصنیف کیا گیا تھا۔

۳:...سیرۃ النبیؐ کی اجمالی سیر:

اس رسالے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر انداز میں سیرت و سوانح بیان فرمائی گئی ہے۔

۴:...القول النقی فی حیات النبیؐ:

قرآن و سنت کی روشنی میں اہلِ سنت والجماعت اور اکابر علمائے دیوبند کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں، اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، جو شخص حضرات انبیائے کرامؑ کی اس حیات کا قائل نہیں، وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، اور اہلِ حق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اہلِ حق علمائے دیوبند کا یہ بھی اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے روضۂ اقدس پر پیش کئے گئے سلام کو سنتے ہیں اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے، اور جسم سے جسمِ عنصری مراد ہے نہ کہ جسمِ مثالی۔ مگر جب کچھ نام

نہاد "موحدین" اور علمائے دیوبند سے نسبت رکھنے والے لوگوں نے اس کے خلاف اپنے نظریات گھڑ کر ان کو رواج دیا، اور افتراق و انتشار کی مذموم فضاء پیدا ہوگئی، تو اکابرین علمائے دیوبند نے مجبوراً حقائق کا اعلان اور اپنے عقیدے کا اظہار ضروری سمجھا۔ اس موقع پر حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ جہلویؒ نے بھی اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اطہر میں اسی جسم عنصری کے ساتھ متصف بالحیات ہیں۔ حضرت اقدس اس رسالے کی وجۂ تالیف میں لکھتے ہیں:

> "اس سال مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ عوام و خواص تک اس سے متاثر ہوئے، علمائے کرام مضطرب و معیوب ہوئے، آفتاب نصف النہار پر ابر سیاہ آنے لگا اور عوام میں فریقین کے استدلال نے پریشانیاں، چہ میگوئیاں اور جنگ و جدال ڈال دیا۔ "حیات الانبیاءؑ" کا مسئلہ ابتدائی سطح کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اُصولی مسئلہ نہ تھا، مگر اپنے بعض نتائج کے اعتبار و لحاظ سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا، ہر طرف سے خطر بڑھنے لگے، احباب نے سوال و جواب سے سکوت اور دم بخود ہونا اختیار نہ کیا، تو بندۂ گنہگار، شرمسار نے بذریعہ قلم اپنے احباب کے لئے اپنا مسلک ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔" (ص:۳)

حضرت جہلویؒ نے اس رسالے میں مسئلہ حیات الانبیاء کو نہایت خوبصورت انداز سے قرآن و حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی نصوص سے مبرہن کیا ہے۔ چنانچہ نہایت اختصار و جامعیت سے اس رسالے میں موت کی حقیقت، برزخ کی زندگی اور انبیائے کرام کی حیات بہ جسدِ عنصری پر قرآن کریم اور احادیث شریفہ کا استقصاء، علمائے دیوبند

کے اس موضوع پر فتاوی۔ اہل حدیث حضرات کی کتابوں سے حیات انبیاء کا ثبوت، حیات شہداء سے حیات انبیاء پر دلالت اُلٹی ثبوت، علمائے نجد کی اس سلسلے کی تصریحات، کتب فقہ و ارباب تصوف سے اس مسئلے کے ثبات کے علاوہ خیر المدارس اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے اکابر، حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ اور محمود الملۃ والدین حضرت مولانا مفتی محمود کے تاریخی و علمی فتاوی کو شامل کر کے تحقیق کا حق ادا کیا ہے، اور یہ واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ اس مسئلے کے منکر ہیں، وہ قرآن و سنت سے ناواقف اور عقل و فہم سے عاری ہیں۔

۵...شجرۂ طیبہ:

اس رسالے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، آپؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے شجرۂ نسب کو کتب سیرت سے خوبصورت انداز میں مرتب فرمایا ہے۔

۶...وسیلۃ الرفیعۃ:

اس رسالے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے وسیلہ پکڑنے کے دلائل، وسیلہ کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیلات اور وسیلہ بالاعمال کو بیان کیا گیا ہے۔

۷...قوانین تعلیم و تربیت طلبہ:

ہر درس گاہ کی کامیابی اور طلبہ کی تربیت کے کچھ اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط ہوتے ہیں، اگر ان کو اپنا لیا جائے تو افادے و استفادے میں سہولت ہو جاتی ہے، اور طلبہ کو حصول مقصد میں آسانی اور اساتذہ کو مشقت شدیدہ کا سامنا نہیں ہوتا۔

پیش نظر رسالے میں ایسے اصول وقوانین کو بیان کیا گیا ہے۔

۸:...فوائد القرآن:

حضرت بہلوی جہاں اعلیٰ درجے کے کامل بزرگ، روحانی طبیب، ماہر عالم اور کامیاب مدرس تھے، وہاں آپ اعلیٰ درجے کے مفسر بھی تھے، چنانچہ آپؒ نے حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ سے ترجمہ وتفسیر قرآن پڑھ کر، ساری زندگی ترجمہ وتفسیر پڑھائی، پیش نظر رسالہ آپؒ کی زندگی بھر کی تحقیق کا عرق ونچوڑ ہے، جس کو آپؒ نے مختصر انداز میں فوائد قرآن کے نام سے مرتب فرمایا ہے۔ اس میں آپؒ نے مخصوص انداز میں تفسیری اصطلاحات کو جمع فرمایا ہے۔

۹:...القول الوجیز فی اصول کلام المجید:

اس رسالے میں قرآن کریم کی تفسیر کے مختصر انداز میں اصول وقوانین کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اب تفسیر بہلوی کے مقدمے کے طور پر اس میں شامل اشاعت ہے۔

۱۰:...الکلمات الراجحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ:

یہ فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل بہترین مقالہ ہے، لیکن مقام شکر ہے کہ اب اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مولانا عبداللہ طالوت صاحب نے اس کا فارسی سے اردو میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ اس رسالے سے حضرت بہلویؒ کی ترجمہ وتفسیر میں مہارت، گیرائی وگہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت بہلوی قدس سرہ نے اس رسالے میں ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ کے مضامین کو نہایت بسط وتفصیل سے اور مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔

۱۱:...ترکِ منکرات در صدقۂ جمعرات:

اس نام کا یہ دوسرا رسالہ ہے جس میں مروجہ منکرات و بدعات کی اصلاح اور ان کے ترک کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۲:...تین استفتاء کے جوابات:

یہ مختصر رسالہ چند فتاوی پر مشتمل ہے، جن میں زمین کے عشر اور شبینہ وغیرہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی انجام دہی میں رونما ہونے والی بعض اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان اغلاط کا شرعی حکم واضح کیا گیا ہے۔

۱۳:...تعظیم الشعائر:

شعائر اللہ کی تعظیم و عظمت، ان کا احترام و اکرام اور ان کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان و عقیدے کا حصہ ہے۔ جو لوگ شعائر اللہ کی تعظیم نہیں کرتے، ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، زیرِ نظر رسالے میں آپ نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

۱۴:...تحفۃ الفقیر الی اللہ:

حج و عمرہ کے احکام اور حرمین شریفین کی زیارت کے آداب کو اس رسالے میں نہایت محبت و عقیدت سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس رسالے میں درج ذیل عنوانات قائم کئے گئے ہیں:

حج واجب ہونے کی شرائط، ارکانِ حج، حج کے واجبات، حج کی سنتیں، آداب، ممنوعات، میقات، احرام، ممنوعاتِ احرام، ادائے حج کی کیفیت، مزدلفہ اور منیٰ کے احکام، عورت کے احکام، مسائلِ متفرق، حج قران و تمتع، عمرہ، ممنوعاتِ حج، طواف، سعی اور رمل کے احکام، شکار کے احکام، بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا

ان تصوموا" کا مطلب؟، اصلاحِ نفس فرض ہے، بیعت ہونا سنت ہے، نورِ نسبت حاصل کرنے کا طریقہ، محبت پیدا کرنے کا طریقہ، کشف و کرامت اور وجد و استغراق محمود ہیں مطلوب نہیں، ترقیٔ باطنی، اہل اللہ کی باتوں میں زیادہ اثر ہونے کا نکتہ، اسوۂ حسنہ کیسے حاصل ہو؟ حضرت منصورؒ اور علمائے وقت، شیخ کی ضرورت، اہلِ محبت کی صحبت، شیخ کی محبت عین محبتِ حق ہے، شیخ کامل کو چشمِ ابلیس سے نہ دیکھو، حصولِ معرفت کی شرطیں، عارف ذکر سے قرب کے مراتب طے کرتا ہے، سالک کے لئے چند شرطیں، ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ کرے، ذکر میں نیت خالص کرو، خوفِ ریا سے عبادت ترک نہ کرے، اخلاص کا طریقہ، ولایت کا دعویٰ خود تکبر ہے، اور مبتدی کے لئے تحدیث بالنعمۃ جائز نہیں۔

۲۱:... مسائلِ تصوف:

اس رسالے میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصوف کے مسائل کو خوبصورت انداز سے سمجھایا گیا ہے، اس مقالہ میں آپؒ نے درج ذیل مباحث کا ذکر فرمایا ہے:

اثباتِ ولایت، ولایت کیا چیز ہے؟ ولایت دو چیزوں پر موقوف ہے، کشف دو قسم کا ہے، کشفِ کونی و کشفِ الٰہی میں فرق، قطب الارشاد، قطبِ تکوین، الہام اور وسوسے میں فرق، کشف و الہام مقبول و غیر مقبول، ولایت کے لئے کشف و کرامت اور خرقِ عادت لازم نہیں، ولایت کی علامات، بعض ولیوں میں جذبی تاثیر، مراتبِ ولایت کی حد نہیں، اپنے سے کامل سے فیض، ولی کو اظہارِ نعمت جائز ہے، تزکیۂ نفس اور اظہارِ نعمت میں فرق، مرشد کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو بے اعتقادی کا سبب ہو، جھوٹی ولایت کا مدعی مسیلمہ کذاب کا نائب ہے، فضائل و کمالات کے لئے مشکلات لازم ہیں، قربِ الٰہی کی علت، موانع قربِ الٰہی، سیرِ آفاقی و انفسی، ریاضت و مجاہدہ کا مقصد،

مذکور ہے۔ اس مختصر سے رسالے میں آپ نے چودہ فصلیں قائم کی ہیں۔ جن میں تصوف کی تعریف، نام، بنیاد صوفیوں کے مقاطات، ظاہر اباطن کی تعبیر، اصطلاحات تصوف، سلوک کی اقسام، آداب سلوک، تجلیات، ملکوت، جبروت اور لاہوت کی تعریف، شریعت وطریقت کا تلازم، کشف وکرامت اور جذب وسلوک کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۲۴:... آداب الشیخ والمرید:

پیری ومریدی کا تعلق ایک معاہدہ ہے، اس معاہدے کو نبھانے کے کچھ اصول وآداب ہیں، پیر کا مرید پر اور مرید کا پیر پر کیا حق ہے؟ وہ کون سے حقوق وفرائض ہیں جن کی پاسداری شیخ پر لازم ہے؟ وہ ایسے کون سے فرائض ہیں جن کی بجاآوری مرید پر لازم ہے؟ زیرِ نظر رسالے میں ایسے آداب وحقوق کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان آداب کی بجاآوری سے نفع زیادہ اور محنت ومجاہدہ کم ہوگا۔

۲۵:... التصرف فی حقیقۃ البیعۃ والتصوف:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ تنگ نظری، اور لاعلمی کے باعث، بیعت وارادت کو بدعت اور علم تصوف کو ناجائز، بے فائدہ اور مسلمانوں کے لئے ضرر رساں تصور کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی غلط فہمی اور جہالت کو دور کرنے کے لئے حضرتؒ نے یہ تحقیقی رسالہ مرتب فرمایا، جس میں تصوف اور اس کی حیثیت، تصوف کا مقصد اصلی، اتباع رسول، ضرورت مرشد، صحبت مرشد، بیعت وارادت کی حقیقت اصلی، بیعت کی احادیث اور بیعت سے متعلق ملک بھر کے اکابر علماء کے فتاوی کو درج کرکے اس کی اہمیت وعظمت کو چار چاند لگادیئے گئے ہیں۔

۲۹:... محاسبۃ الاعمال:

قرآن کریم میں ہے کہ "کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً"... آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے... یعنی قیامت کے دن ہر آدمی اپنے اعمال کے اعتبار سے خود ہی اپنا حساب کر سکے گا اور یہ اندازہ لگا سکے گا کہ میرے اعمال صالحہ مجھے جنت میں لے جانے کے قابل ہیں یا نہیں؟ گویا قیامت کے دن تو ہر شخص اپنا محاسبہ کر ہی لے گا، مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہر مسلمان دنیا ہی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا اور یہ اندازہ لگاتا کہ میرے اچھے اعمال زیادہ ہیں یا برے اعمال؟ اگر کوئی مسلمان مرنے سے پہلے دنیا میں اس جذبے کے تحت روزانہ اپنا محاسبہ کرتا رہے تو اس کے گناہ نیکیوں سے کبھی نہیں بڑھ سکیں گے۔ اس رسالے میں اسی محاسبۂ اعمال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۳۰:... تصفیۃ الاعمال:

اس رسالے میں اکابر و مشائخ متقدمین کی کتب جیسے الکمال الشیم، شرح اتمام النعم وغیرہ سے تصوف کے اسرار و رموز کو منتخب کر کے نقل کیا گیا ہے۔ اس رسالے میں نو فصلیں ہیں، جن میں درج ذیل علوم و معارف بیان کئے گئے ہیں: علم، عمل، اخلاص، توبہ، ریا، نماز کے اسرار و رموز، عبادات کی حکمت، ذکر، فکر، عباداللہ کی اقسام اور سالکین کے مراتب، وغیرہ۔

۳۱:... خاتمۃ الاولیٰ فیما یتعلق بہ الاعضاء:

ربوبیت اور عبدیت دونوں متقابل کی چیزیں ہیں، انسان میں عبدیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفت ربوبیت سے موصوف ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں کامل عبدیت ہو، لہٰذا جس میں جس قدر عبدیت زیادہ ہوگی، اسی قدر وہ باکمال

چونکہ اس لئے پیش نظر رسالے میں عبدیت کے ان تمام احوال و آثار جو اعضاء سے متعلق ہیں، ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ پیش نظر رسالے میں درج ذیل عنوانات پر کلام کیا گیا ہے: عبدیت کی تشریح، عبدیت کی اقسام، مراتب عبدیت، عبدیت کا مدار چند اشیاء، قلب کی عبدیت کی علامات، زبان کی عبدیت اور جوارح کی عبدیت کے مظاہر، عبودیت چشم، عبودیات لمس، عبودیات قوت شامہ وغیرہ۔

۳۲:... تزکیۃ الاعمال:

قول و فعل اور عمل وہی مفید ہے جس میں ریا اور دکھلاوا نہ ہو، بلکہ خالص اللہ کے لئے ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اگر کوئی بڑے سے بڑا عمل ان نقائص سے پاک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ذرہ بھر کوئی حیثیت نہیں، لیکن اگر کوئی عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے تو چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، وہ عنداللہ مقبول و محبوب ہے۔ پیش نظر رسالے میں اس مضمون کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۳:... الوفا بعہد الاولیاء:

اس رسالے میں ان تمام وعدوں کا ذکر خیر فرمایا گیا ہے جو مشائخ اپنے مریدین و متعلقین سے لیا کرتے ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ تصوف میں صرف اذکار و اوراد ہوتے ہیں، جبکہ تصوف میں جہاں ان معمولات پر پابندی کا عہد لیا جاتا ہے، وہاں اس میں اعمال و اخلاق اور عبادات و معاملات میں بھی شریعت کی پاسداری کا عہد لیا جاتا ہے۔ جو شخص سر سے لے کر پیر تک اور زندگی کے تمام معاملات میں شریعت کا پابند نہ ہو، وہ صوفی نہیں کہلا سکتا، چنانچہ حضرت بہلوی نے اس رسالے میں ان بیالیس وعدوں کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو اکابرین تصوف اپنے مریدین و

متعلقین سے لیا اور پابندی کرایا کرتے ہیں۔

۳۴:...فوائد مہماتِ تصوف و دفعِ مغالطات:

تصوف درحقیقت عین اسلام بلکہ کمالِ اسلام اور دین کی روح کا نام ہے اور صوفی بنے بغیر اسلام کی دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور قومی و سیاسی برکات سے کماحقہ ہم کنار ہونا عملاً ناممکن ہے۔ مگر بدقسمتی سے جس طرح دین کے دوسرے شعبوں میں زیادہ تر غلطیاں اور کوتاہیاں سرایت کرگئی ہیں... جن کی نحوست سے رہا سہا دین بھی معنویت سے خالی، محض بے جان ہوکر رہ گیا ہے... اسی طرح تصوف میں بھی دکان دار صوفیوں نے بدعات و رسومات داخل کرکے اس کی شکل ہی بگاڑ دی ہے۔ اس رسالے میں تصوف کے چہرۂ صافی کو نکھارنے اور اس کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اس کے مہمات اور مغالطات کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح تصوف کی اصطلاحات کے معانی و مفاہیم کو سہل و آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۵:...آدابُ الذکر واقسام الفکر:

اس رسالہ میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حضرتؒ نے ذکر و فکر کے آداب بیان کرتے ہوئے درج ذیل عنوانات کے تحت کلام کیا ہے: فکر کی اقسام، توحید کی چار اقسام، ذکر کے آداب، سنن و مستحبات ذکر، ذکر کے بعد کے آداب، ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟ وغیرہ۔

۳۶:...انکشاف الاحوال والاوہام:

جس طرح ظاہری آنکھ روشنی میں محسوسات کو دیکھتی ہے، ایسے ہی ذاکرین کو ذکر، مراقبہ، خواب اور خلوت میں کچھ واقعات منکشف ہوتے ہیں، جن سے بعض

اوقات سالک کے شوق ذوق اور لذت میں اضافہ ہوتا ہے اور اپنے حال کی رسیدگی، پژمردگی، زیادتی اور نقصان معلوم ہوتا ہے اور اپنے حالات نفسانی، حیوانی، سبعی، شیطانی، ناسوتی، ملکی اور روحانی پر واقف ہوتا ہے۔ ایسے میں کبھی سالک اوہام کا شکار ہوجاتا ہے۔ ایسے احوال و اوہام کی تفصیلات کے لئے یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس رسالے میں درج ذیل عنوانات قائم کئے ہیں:

بعض واقعات انکشافیہ کی تشریح اور فوائد انکشافات کی تشریح، علامات صحت انکشاف، مرشد کی ضرورت، انوار پر مغرور نہ ہونا چاہئے، حجابات نورانیہ کی زیادتی کا نقصان، سلوک کی ابتداء و انتہا "النهاية هي الرجوع الى البداية" کا مفہوم، ترقی کی انتہا ہے یا نہیں؟ تنزل آنی ہے یا زمانی؟ ظلوم و جہول کا مطلب؟ نماز بے خطرہ کب ہوتی؟ طالب و سالک فانی ہوتا ہے یا مطلوب؟ اور سالک کو بعد موت حتیٰ فنا فی اللہ کے وصل ممکن ہے؟

۳۷:..... تسہیل فی ہمزات الشیاطین:

اس رسالے میں سولہ فصلیں قائم کر کے شیطان کی مختلف مکاریوں اور وسوسوں کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس رسالے میں درج ذیل مضامین بیان کئے گئے ہیں:

وساوس شیطانیہ و نفسانیہ کی تعریف، وساوس نفسانیہ و شیطانیہ میں فرق، خواطر ملکی و حقی میں فرق، شیطانی دجل اور دفع شدہ وسوسے، صوفیوں اور پیروں کے لئے شیطانی دجل و فریب، حسن پرستی کا دجل، ملفوظات و مثنوی کے متعلق شیطانی مغالطہ، توحید وجودی کے بارے میں مغالطہ، بزرگان اہل قبور سے عقیدے کا مغالطہ، نیز "غفور الرحیم" سے شیطان کی دھوکا دہی، صوفیا کے مجاہدات میں دھوکا، راگ و سرود میں

شیطانی دھوکا، تعلیم و تعلم میں شیطانی دھوکا، قرآن و حدیث کے سوا دوسرے علوم کو باعث نجات سمجھنے کا دھوکا، چندہ اور مال زکوٰۃ کے مصرف میں دھوکا، اور یتیموں کا مال کھانے میں شیطانی دھوکا وغیرہ۔ بلاشبہ اس رسالے کا ایک ایک حرف آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۳۸:...مکائد الشیطان:

شیطان، انسان کو کس کس طرح گمراہ کرنے اور اس کی راہ مارنے کی کوشش کرتا ہے؟ اس کا اندازہ صحیح معنی میں وہی لگا سکتا ہے جو شیطان کے کید و مکر کو جانتا ہو۔ اکابرؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کا مقابلہ کرنا اس وقت مشکل ہو جاتا ہے جب وہ دلائل کے ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں اترتا ہے۔ مثلاً: جب رشوت کو ہدیہ تحفہ اور حق الخدمت، اور سود کو تجارت و مضاربت کے عنوان میں پیش کرتا ہے، تو اچھے اچھوں کے دماغ چکرا جاتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے کید و مکر سے آگاہ ہو کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے، زیرِ نظر رسالے میں شیطان کے ایسے ہی مکائد اور فریبوں کو بیان کرنے اور اس سے بچنے کی شکلیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۳۹:...صبغۃ اللہ/ خدائی رنگ:

قرآن کریم میں ہے: "صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔" (ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا، اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں) یعنی جس طرح رنگ انسان کو آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے، مؤمن کے ایمان کی علامات اس کے چہرے، بشرے، تمام حرکات و سکنات اور معاملات و عادات سے ظاہر ہونا چاہئیں۔ حضرت بہلویؒ نے اس رسالے میں تفہیم

کے دینی اصول مثلاً نماز، زکوٰۃ، تجارات، روزہ، حج، معاملات، نکاح، طلب حلال، مسلمانوں کے حقوق، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اتباع سنت کے علاوہ تعمیر باطن کے اصول، مثلاً کثرت کلام و ترک صمت، آفات کلام، فضول گوئی، ہوس، حسد، بخل اور محبت مال، عزت و شہرت اور جاہ کی محبت، دنیا کی محبت، نخوت و تکبر، خود پسندی، ریا ان کی تفصیلات اور ان کے علاج کو بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح تعمیر باطن کے ذریعے اخلاق محمودہ کی تفصیلات مثلاً توبہ، خوف، زہد، صبر، شکر، صدق و اخلاص، توکل، محبت، رضا بالقضا، فکر موت، اور حسن خلق کے عنوانات قائم کر کے اس مضمون کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش فرمایا ہے۔

۴۰:... التجلی فی الانوار والتجلی:

آدمی جب ذکر و مراقبہ اور مجاہدہ اعمال شروع کرتا ہے تو انوارات کی تجلی کا ظہور ہوتا ہے اور تجلیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پیش نظر رسالے میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۱:... عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار:

یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ارباب تقویٰ کے قلوب کی اصلاح کے اصول، اوراد اور اذکار پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ اصولی طور پر پانچ مضامین پر مشتمل ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، آداب معاشرت اور سلوک و مقامات سلوک۔ لیکن ذیلی مباحث کے اعتبار سے اس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے: ولایت، سلوک، مقامات، ثمرات، ترتیب، ارادت، ولایت کیا چیز ہے؟ نسبت و وصول الی اللہ کا معنی؟ مدار ولایت، ولایت کے ارکان؟ ولی کی تعریف، تخلیہ و تحلیہ، اصحاب باطن

کی فرضیت، تصوف کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، مقامات و حال کی تعریف، تحصیلِ نسبت، ضرورتِ شیخ اور علاماتِ شیخِ کامل، طریقِ تربیتِ مشائخ، سالک مجذوب و مجذوب سالک، خلافت دینے کا وقت اور تحصیلِ نسبت کے بعد کے معاملات، ریاضت و مجاہدہ۔ تفصیلی و اجمالی، توبہ کی تعریف، اقسامِ توبہ، طریقِ تحصیلِ توبہ و احکام توبہ، صبر، اقسامِ صبر و علاج، شکر و ارکانِ شکر، خوف اور اس کی تحصیل کا طریق، رجاء کا معنی و مفہوم اور اس کا طریقِ تحصیل، غرور، تمنی اور رجاء کا فرق، زہد و طریقِ تحصیلِ زہد، توحید کا معنی، توکل کی تعریف، تحصیلِ توکل کا طریق، محبت، طریقِ محبت و علاماتِ محبت، شوق کا معنی و طریقِ تحصیل، انس کا مفہوم، رضا کا معنی اور اس کی تحصیل کا طریق، نیت، اخلاص اور صدق کا معنی اور تحصیل کا طریق، درجاتِ صدق، مراقبہ کا مفہوم، مراقبے کے لئے چند امور، اخلاقِ ذمیمہ، شہوت کا معنی اور اس کا علاج، آفاتِ لسان و علاج، غضب، حقد، حسد، اسبابِ حسد، حبِ دنیا کا مطلب، بخل، حرص، حبِ جاہ کا معنی، تکبر، ریا، عجب کی تعریف اور ان تمام کا علاج، استاذ اور شیخ کے حقوق و آداب، نفسِ امارہ، لوامہ اور مطمئنہ کی تشریح، حبسِ دم اور ذکر کا طریق، لطائف بیدار کرنے کی ترکیب، ترتیبِ مراقبات، حبسِ دم کے فوائد، انسان کے دس لطائف، مقاماتِ عشرہ، علامات و کیفیات، ولایتِ صغریٰ، مراقباتِ ولایتِ کبریٰ، ظلالِ اسماء کا مطلب، "تا بہ مادر خود جفت نشوی" کا مطلب، فنائے قلبی و فنائے نفسی کی تشریح، توجہ، طریقِ توجہ، شرائطِ توجہ، تعدد شیخ اور اس کی شرائط، قبر سے فیض تعلیم کا حکم، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، اصولِ قبض و بسط، غیبت و حضور، سکر، صحو اور محو و اثبات، مکاشفہ، مشاہدہ، محاضرہ، کرامت، سحر، استدراج، اصطلاحاتِ ملامتی، قلندری، مجذوب و سالک، تجرید، تفرید، حریت، قرب و بعد، تصورِ شیخ و مرشد، اس کے فائدے اور نقصان، اقسامِ حجاب، اقسامِ اولیاء، اصطلاحی الفاظ، خرقِ عادت کی اقسام، کشف و الہام سے حاصل ہونے

پرد چیلنج کرنے والوں کو لاجواب کر دیا ہے۔

یہ کتاب جس سے پہلے ایک عرصہ تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے درس نظامی کے نصاب میں شامل رہی، مگر افسوس کہ ایک عرصہ کے بعد کتاب نایاب ہوئی تو وفاق المدارس کے نصاب سے خارج ہوگئی۔ اب الحمدللہ! حضرت جہلویؒ کے خدام نے اسے دوبارہ شائع کر کے علماء و طلبہ پر احسان فرمایا ہے، کتاب عربی زبان میں ہے۔

۴۴:...ازالۂ شکوک و شبہاتِ تصوف:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ تصوف کے بارے میں عامۃ الناس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض لکھے پڑھے لوگ بھی اسے ہندو دھرم کا یوگا جیسی مشقوں کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ یہ سب حقیقت نا شناسی اور لاعلمی کے ثمرات ہیں۔ تصوف کے بارے میں ایسے تمام شکوک و شبہات کے ازالے کے لئے یہ رسالہ بہترین تحفہ ہے۔

تفسیر قرآن:

قرآن کریم کی تفسیر کا موضوع کس قدر اہم ہے؟ اس کے لئے کس قدر علوم عربیہ میں مہارت کی ضرورت ہے؟ اور کون اس کا اہل ہے؟ اس کی اہمیت سے اصحاب علم و فضل واقف ہیں۔ بلاشبہ ہمارے حضرت جہلویؒ اس دور کے ان ارباب فضل و کمال میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے صرف، نحو، ادب، لغت عربی، معانی، بیان، بدیع، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور اصول تفسیر وغیرہ میں کمال درجے کی مہارت اور ید طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ پھر جن اکابر سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا، وہ اپنے دور کے امام، حجت اور سند کے مقام پر فائز تھے، انہوں نے آپ کو خاص تفسیر قرآن کی طرف متوجہ فرمایا، خصوصاً حجۃ الاسلام حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

اور قطب دوراں حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے اس فن میں آپ کی خصوصی
تربیت فرمائی اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر اس مسند پر بٹھایا تو زندگی بھر آپ
نے ان کی سپرد کی گئی اس امانت کو امت تک پہنچایا اور ان کی نسبت و مسند کی لاج
رکھی۔ چنانچہ آپؒ نے جب سے اس خاص انداز میں تفسیر پڑھی اور پڑھانا شروع کی تو
زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے اور کبھی اس میں تخلف نہیں آنے دیا۔ بہرحال آپ
رمضان وشعبان میں پہلے بھکی شریف اور آخر عمر میں مدرسہ اشرف العلوم شیانی آباد میں
باقاعدہ دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے، جس میں سینکڑوں علماء اور اصحاب علم وفضل شریک
ہوتے اور علوم ومعرفت کے اس بحرِ ذخار سے موتی لوٹتے۔ پیشِ نظر تفسیر آپ کے ان
تفسیری نکات کا مجموعہ ہے جو آپ کی زندگی بھر کے علم وتحقیق کا عرق اور نچوڑ ہے۔
آپ کے ان تفسیری نکات کو جہاں آپ کے تلامذہ اور مسترشدین قلم بند کرتے، وہاں
آپ نے خود بھی اس کو محفوظ کیا۔ افسوس! کہ یہ گوہر گراں مایہ تاحال مکمل طور پر زیور
طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔

پیشِ نظر کتاب اس سلسلے کا ایک حصہ ہے جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ انفال سے
لے کر سورۂ طٰہٰ کے اختتام تک کے تفسیری نکات پر مشتمل ہے۔ افسوس! کہ اس کا دوسرا
حصہ تاحال تشنۂ طباعت ہے، جبکہ پہلے حصے کی بھی سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ،
انعام اور اعراف کی تفسیر تاحال مفقود ہے۔ اے کاش! کہ حضرتؒ کے افادات پر مشتمل
پورے قرآن کی تفسیر دستیاب ہو جاتی اور اسے زیورِ طبع سے آراستہ کر کے امت تک
پہنچایا جاتا۔ حضرت بھکویؒ کے اخلاف اور پسماندگان کے ذمہ یہ قرض ہے جو انہیں
ہر حال میں چکانا چاہیے۔ خدا کرے کہ حضرت بھکویؒ کے خدام اس طرف توجہ کریں اور
اس قیمتی امانت کو امت کے ہاتھوں تک پہنچا دیں۔ حضرتؒ کی تفسیر پر کچھ لکھنا اور اس کا
تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ یہ وہ ذائقہ ہے جو چکھنے سے

محسوس ہوتا ہے، لکھنے اور بتانے سے اس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے، بالکل ایسے جیسے آم کی مٹھاس بتانے سے نہیں بلکہ کھانے اور چکھنے سے معلوم و محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی مٹھاس کو کسی چیز کی مٹھاس سے تشبیہ دینا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

اوصاف و اخلاق

اخلاقِ عالیہ:

حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"اَیُّ شَیْءٍ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ اِذَا دَخَلَ بَیْتَہُ؟ قَالَتْ: کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِہْنَةِ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ قَامَ فَصَلّٰی" (ترمذی)

ترجمہ: "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔"

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ اخلاق، فنائیت، عبدیت اور تواضع کی معراج تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدے میں تشریف رکھتے تو گھر کے معمولی کام کاج سے بھی عار محسوس نہ فرماتے تھے، بلکہ ایک عام آدمی کی طرح گھر کی ضروری خدمت میں مصروف رہتے۔

اسی طرح شمائل ترمذی میں ہے کہ

"فانه كان بشرا من البشر يفلي ثوبه ويحلب
شاته ويخدم نفسه."

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے کی جوئیں دیکھ لیتے تھے (کہ کسی دوسرے کے کپڑے سے نہ چڑھ گئی ہوں) اور بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے، اور اپنے ذاتی کام خود کر لیتے تھے۔

مسند احمد میں یہ اضافہ ہے کہ "يخيط ثوبه ويخصف نعله" (اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے)۔ ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "ويرقع دلوه" یعنی اپنے ڈول کی مرمت خود کر لیتے تھے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں غلام کی طرح کھاتا ہوں، اور غلام کی طرح
بیٹھتا ہوں، پھر فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔"

غرضیکہ آپ کی ایک ایک ادا اور حرکت و سکون سے عجز و انکسار، تواضع اور عبدیت ٹپکتی تھی۔ کبر و نخوت، عجب و غرور اور تکبر و بڑائی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزر ہی نہیں ہوا تھا، حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف فرما ہوتے تو نو وارد اور ناواقف آدمی دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان میں سے نبی کون ہے؟ اور امتی کون؟ بلکہ اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟

ٹھیک اسی طرح ہمارے حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ اسوۂ نبوی کے سانچے اور قالب میں ڈھلے ہوئے تھے۔ آپ کے ہر قول و فعل اور عمل کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آپ نے اسوۂ حسنہ کے آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے مزاج اور شکل و شمائل کو سنوارا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا،

سوں، جاننا، چھوٹوں، بڑوں، مریدین و متعلقین سے برتاؤ، دوست، احباب اور واردین وصادرین کے ساتھ یکساں معاملہ، اتباعِ نبوی کا آئینہ دار تھا۔

آپؒ سے ملنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپؒ کا مجھ سے خصوصی تعلق ہے۔ آپؒ کے ہاں کسی روایتی ہٹو بچو کا تصور نہیں تھا۔ بلکہ صحیح معنی میں آپؒ ارشادِ نبوی "اللّٰھم اجعلنی صبورًا واجعلنی شکورًا واجعلنی فی عینی صغیرًا وفی اعین الناس کبیرًا" (اے اللہ! مجھے صبر والا بنادے، اور مجھے شکر والا بنادے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنادے) کی کامل تصویر تھے۔

حضرتؒ کے پاس آنے والا ہر شخص یہ محسوس کرتا جیسے وہ اپنے شفیق باپ کے پاس آگیا ہے، اس لئے وہ بے تکلف اپنے تمام مسائل و مشکلات عرض کرتا اور حضرتؒ نہایت محبت و شفقت سے اس کے مسائل سنتے اور ان کا حل ارشاد فرماتے۔ حضرتؒ کی بارگاہ میں نام نہاد پیروں کی سی دوری نہیں تھی، وہاں پیر و مرید میں مشفق باپ بیٹے اور رحم دل معالج و مریض کا رشتہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کے ارد گرد ہر وقت علماء، طلبہ اور مریدین کا پروانہ وار اجتماع رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت بہلویؒ کو حسنِ باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب آراستہ فرمایا تھا، اس پر مستزاد، جب آپؒ اکابرینِ نقشبندیہ و چشتیہ کے ذوق کے مطابق سفید اور اجلا نکھرا لباس زیب تن فرماتے تو بلا مبالغہ حسن و نور کی چمک بھی آپ کے چہرے کے سامنے پھیکی نظر آتی تھی۔ بایں ہمہ آپؒ کی کسی حرکت، سکون اور قول و فعل سے جاہ و جلال کا شائبہ تک نہ ہوتا، بلکہ آپؒ کی ایک ایک ادا سے عجز و نیاز، عبدیت و فنائیت اور بے نفسی و تواضع ٹپکتی تھی۔

راقم الحروف کو یہ تو یاد نہیں کہ حضرت بہلویؒ سے پہلی ملاقات کا شرف کب حاصل ہوا؟ البتہ جب سے یاد ہے، حضرت بہلویؒ کو بڑی عمر ہی میں دیکھا۔

حضرت اقدس سے جو ملاقات یاد ہے اس کا نقشہ آج بھی دل و دماغ پر ثبت ہے، اور اس کا اثر آج بھی حضرتؒ کی عظمت، محبت، شفقت اور سادگی کی یاد دلاتا ہے۔

ہوا یوں کہ حضرت بہلویؒ اپنے عزیز داماد و جلال پور پیروالا کے مشہور حکیم حضرت مولانا حکیم محمود الحسن صاحبؒ کے گھر جلال پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ صبح نماز کے بعد حکیم صاحب کے گھر کے باہر سب خدام کی موجودگی میں حضرت بہلویؒ بھی تشریف فرما تھے۔ لوگ حضرت کے ارد گرد پروانہ وار جمع تھے، اور اپنی اپنی ضرورتوں اور مشکلات کے حل اور دعاؤں کی درخواست عرض کر رہے تھے، کوئی تعویذ لے رہا تھا تو کوئی بیعت کی درخواست کر رہا تھا، اتنے میں میرے والد ماجدؒ نے مجھے حضرت بہلویؒ کی خدمت میں پیش کر دیا اور درخواست کی کہ حضرت! یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے، اسے بھی اپنی ارادت میں شامل فرمالیں۔ حضرتؒ نے بلا توقف نہایت محبت و شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور میں حضرتؒ کے پہلو میں آپ کے گھٹنے کے ساتھ نہایت بے تکلفی سے جڑ کر بیٹھ گیا۔ پیری مریدی کیا ہوتی ہے؟ بیعت کیا ہوتی ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا صحیح معنی میں نہ ادراک تھا اور نہ اس کا وقت تھا، بہر حال حضرت والد صاحب کے حکم سے آگے ہو گیا اور حضرتؒ کے قریب بغیر کسی ڈر اور خوف کے بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے والد ماجدؒ کی قبر کو نور سے بھر دے! کہ انہوں نے مجھے شروع ہی سے بزرگوں سے جوڑے رکھنے کی کوشش فرمائی۔ جب میں حضرت بہلویؒ کے قریب ہوا تو حضرتؒ نے کیا فرمایا؟ یہ تو یاد نہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا: بیٹے سے کچھ الفاظ میں نے جب کچھ بتایا تو حضرت نے دل، سینے اور کئی جگہ انگلی رکھی اور زور سے فرمایا ”اللہ“ اس طرح حضرتؒ نے گویا میرے لطائف جاری فرما دیئے۔ یہ تھی حضرتؒ کی تواضع،

شفقت، محبت و اپنائیت کا اثر تھا کہ اس کے بعد راقم کو حضرت سے غیر اختیاری طور پر ایسی محبت ہوگئی جیسے کسی بیٹے کو اپنے باپ سے ہو سکتی ہے، پھر تو زندگی بھر حضرت کی محبت کا اسیر ہی رہا۔

تواضع و انابیت:

حضرتؒ کی عبدیت، فنائیت اور تواضع کے یوں تو بے شمار واقعات ہیں، مگر ان میں سے ایک واقعہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

راقم الحروف کے والد ماجد حضرت اقدس جناب میاں شوق محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ابتدائی طور پر حضرت اقدس مولانا حافظ محمد ذکی جلال پوری قدس سرہٗ خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفضل علی قریشی مسکین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و مجاز تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے حضرت بھوئی قدس سرہٗ سے تجدید بیعت فرمائی، بعد میں پھر آپؒ کی بارگاہ سے بھی اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس لئے حضرت والد صاحبؒ اپنے ان ہر دو مشائخؒ کے پر لطف واقعات نہایت مزے سے لے کر سناتے تھے، ان کی عظمت و فنائیت کا تذکرہ کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے۔ حضرت والد ماجدؒ فرماتے تھے کہ:

> "شروع شروع میں جب میں خانقاہ بھوئی میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ خانقاہ میں کھانا کھلانے کے لئے برتنوں وغیرہ کا کوئی خاطر خواہ اور معقول انتظام نہ تھا۔ اصحاب ثروت اور خانقاہ کے ماحول سے واقف کار حضرات تو اپنا ذاتی انتظام کرتے۔ البتہ ناواقف اور نووارد حضرات اس سلسلے میں خاصی مشقت اٹھاتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا۔ اس پر میں

نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: حضرت! بلاشبہ یہ لوگ یہاں اصلاحِ نفس کے لئے آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نفس و شیطان کے اغوا سے بچ جائیں، مگر خانقاہ کے لنگر کے نظام اور ہمارے طرزِ عمل سے تو اس کا اندیشہ ہونے لگا ہے کہ کہیں شیطان انہیں عزتِ نفس کی پامالی اور اہانت آمیز سلوک کے عنوان سے آپ کے فیض سے ہی محروم نہ کردے۔ اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ چاہے لنگر کی روکھی سوکھی ہی کیوں نہ ہو، مگر عزت و تکریم سے کھلائی جائے اور عزتِ نفس کا خاص خیال رکھا جائے۔

حضرت بہلویؒ نے میری یہ کڑی تقریر سن کر نہایت سادگی سے فرمایا: تو پھر تمہارے خیال میں اس کا کیا انتظام ہونا چاہئے؟

میں نے عرض کیا: حضرت! اس کے لئے کچھ مٹی کے پیالے اور چنگیریں منگوالی جائیں، جن میں سالن اور روٹی رکھ کر سالکین کو پیش کئے جائیں۔ حضرتؒ کی اُولوالعزمی پر قربان جاؤں! کہ آپؒ نے میرے جیسے دیہاتی کی اس تجویز کو نہ صرف قبول فرمالیا، بلکہ خانقاہ کے خدام کو بلاکر فرمایا کہ: بھائی! جام صاحب چونکہ ایک عرصے سے خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں اور حضرت حافظ محمد موسیٰ جمال پوریؒ کے فیض یافتہ ہیں، لہٰذا آج کے بعد ہماری خانقاہ کے امور میں جب تک ان سے مشورہ نہ کرایا جائے، مراتب مرشد جیسے ہوتے ہیں۔"

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ حضرت بہلویؒ نور اللہ مرقدہ کی تواضع، للہیت، فنائیت، عبدیت، متانت اور سلامتیٔ طبع کی بہترین مثال ہے، ورنہ حضرتؒ کے علم و فضل، فہم و ذکا اور حکمت و دانائی کے مقابلے میں میری کیا حیثیت بھی نہیں تھی جتنی آفتاب کے سامنے ذرے کی ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود حضرتؒ نے اس خادم کی عرض داشت کو قبول فرمالیا، ورنہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس گستاخی پر کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دیتا اور کہتا۔ میاں! اپنے یہ مشورے کہیں اور جا کر دو، ہماری اصلاح کی فکر کرنے کی بجائے اپنی فکر کرو۔ مگر قربان جاؤں حضرت بہلویؒ کی عبدیت وفنائیت کے کہ اس گستاخی پر بجائے تنبیہ کے مزید ہمت افزائی فرمائی۔

عبدیت وفنائیت:

حضرت بہلویؒ میں کمال درجے کی فنائیت، تواضع اور اخفا تھا، چنانچہ حضرت کے ایک مسترشد مولانا عبدالوہاب صاحب نے حضرتؒ کی سوانح مرتب کرنا چاہی اور حضرتؒ سے اس سلسلے کی معلومات کرنا چاہی تو آپؒ نے ان کو جو جواب لکھا، وہ ملفوظات طیبات صفحہ: ۱۳۸ کے حوالے سے درج ذیل ہے:

"مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب ....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اگر آپ کو سوانح عمری بلند ہستی کی لکھنے کی ضرورت ہے تو سن لیجئے۔ پاکستان کا ایک ڈاکو، نادیدہ، درماندہ بڑی عمر کو ہو کر نیکی سے کورا، مدعی کاذب علم کا، جس کو اپنے خاتمے کا بھی پتا نہیں، اور تصوف کا نام کہ صوفی نہیں، اور ہادی مہدی کا، جو خود مہدی نہیں، دنیا میں جس کسی کو قفل شعور چلا تو اس کا ہونے کا مصداق بلند ہستی ہے۔ ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس

صاحب خطیب اہالی مسجد، حضرتؒ کو لے گئے۔ بیان ظہر تھا۔
بیان سے قبل مولانا غلام علی صاحبؒ نے حضرتؒ کا تعارف
کراتے ہوئے کچھ اونچے القاب مثلاً مخدوم العلماء، شیخ
طریقت اور شمس العارفین وغیرہ استعمال کئے، جب حضرتؒ بیان
کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا: بھائی! میں ایک
دیہاتی بوڑھا ہوں اور آپ کا قریبی ہمسایہ ہوں، اس لمبی چوڑی
لفاظی کا قائل نہیں ہوں، میں تو محض آپ لوگوں کی دعائیں
حاصل کرنے اور آپ حضرات ایسے بزرگوں کی زیارت کرنے کو
حاضر ہوا ہوں۔"

ح... "ایک بار رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کا
موقع تھا، عوام کا جم غفیر تھا، لوگ حضرتؒ کی زیارت اور مصافحے
کی غرض سے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، مگر آپؒ ہر
مصافحہ کرنے والے سے فرماتے جاتے: بھائی! میرے حسنِ
خاتمہ کی دعا کرنا، میرا حال تو پتلا ہے۔ بلاشبہ حضرتؒ میں تصنع
اور بناوٹ کا کوئی دخل نہیں تھا۔"

ط... "اگر کوئی شخص حضرت بہلویؒ سے بیعت کی
درخواست کرتا تو حضرتؒ فرماتے: میاں! کیا دنیا میں تجھے میں ہی
بیعت کے لئے ملا ہوں؟ جاؤ کسی اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ۔"

ی... "ایک بار حضرت بہلویؒ کے دانت میں درد تھا،
تو خانقاہ میں حاضر ایک، ایک خادم سے فرماتے کہ: بھائی! تم
سب مجھے دم کرتے جاؤ، شاید آپ نیک لوگوں کے دم سے

موصوف نے اسی دن سے داڑھی بھی چھوڑ دی اور پکے نمازی اور
دین دار بن گئے۔" (ص ۱۵۲ تا ۱۵۳)

و:... اسی طرح ہر سال دورۂ تفسیر کے اختتام کے موقع
پر آپ طلبہ سے درس کی خدمت میں کوتاہی کی انتہائی عاجزی اور
انکساری سے معافی مانگتے کہ طلبہ کی چیخیں نکل جاتیں۔ حضرت
اقدس نہایت گریہ وزاری کے ساتھ ان سے معافی مانگتے اور طلبہ
رو رو کر عرض کرتے۔ حضرت! آپ نے ہمیں اتنا دے دیا جو کچھ یہاں
ہوا ہمیں معاف فرمادیں، مگر حضرت بدستور ہاتھ باندھے
بیٹھے رہتے اور معافی کی درخواست کرتے رہتے۔" (ص: ۱۵۴)

حسنِ خاتمہ کی فکر:

الف:... "انوارِ جلوتیہ" کے مرتب جناب محمد اکبر صاحب لکھتے ہیں کہ
میں جب حضرت کی سوانح ترتیب دینے لگا تو ایک دینی رسالہ میں اشتہار دیا کہ
حضرت جلوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح زیر ترتیب ہے، اگر آپ کے متعلقین میں سے
کسی کے پاس حضرت کی حیات مبارکہ سے متعلق کوئی تحریر، مکتوب یا واقعہ یا واقعات
ہوں تو تحریر کرکے مجھے بھیج دیں۔ اس پر جناب خواجہ محمد ... صاحب نے
حضرت کی وفات کا یہ حیرت انگیز واقعہ لکھا کہ:

"میں حضرت کی خدمت میں رہ کر چند دن بعد
واپسی کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ واپسی پر پہلے تو میں
حضرت درخواستی اور پھر دین پور میں حضرت مولانا عبدالہادی کی
خدمت میں حاضری دیتے ہوئے وطن واپس جاؤں گا۔ یہ سن کر

فخر کرنا چاہیے، مغرور ہو کر اپنے اقران پر تکبر کرنا چاہیے۔

بلند ظرفی:

حضرت اقدس بہلوی یوں تو سراپا اخلاق بلکہ اسوۂ حسنہ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" ...بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں... کی پکی تصویر تھے۔ آپ "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ...زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں... کے مصداق، مسلمانوں کے حق میں لین و نرم و گداز تھے۔ اگر کبھی کسی شاگرد، مرید اور مسترشد سے حضرت کا ذاتی نقصان ہو جاتا تو اس سے انتقام نہیں لیتے۔ ہاں!! اگر کسی کو خلاف شرع امور کا مرتکب پاتے تو سخت غضبناک ہوتے۔ اسی طرح کا ایک قصہ حضرت کے ایک شاگرد مولوی اللہ بسایا مظفر گڑھی نے سنایا کہ:

> "جس دور میں ہم حضرت بہلوی کے پاس بجلی کے مدرسہ میں درجہ کتب میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت نے اپنی زمین میں آم کا باغ لگوایا۔ طلبہ نے اس کی چوکی (رکھوالی) دینے کا طے کیا تو ایک طالب جو نہایت لمبے قد کا تھا، اس نے چند پودوں کو چوکی دی، سب کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور وہ سب کے سب مرجھا گئے۔ حضرت کو بتایا گیا تو حضرت نے اس کو بلا کر شرارت پر غصہ آیا، بجائے ازراہِ تفنن فرمایا: میاں! تم فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں فلاں بڑھئی رہتا ہے، اسے میرا نام لے کر کہو کہ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میرا قد کچھ زیادہ لمبا ہو گیا ہے، اس کو تھوڑا سا آری سے کاٹ دو تاکہ لمبے قد کی وجہ سے حماقتوں سے میری جان چھوٹ جائے، جس سے وہ طالب علم مارے شرم کے

پانی پانی ہوگیا۔ اس کے بعد آپؒ نے شفقت بھرے انداز میں فرمایا: میاں! تمہارا اتنا بڑا قد ہوگیا ہے، کچھ تو سلیقہ سیکھو، اس کے علاوہ مزید ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔"

حلم و تحمل:

"انوارِ بہلویہ" کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب حضرت بہلویؒ کی سادگی، حلم اور شفقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپؒ کی سادگی، اخلاق، حلم اور بردباری سے ہر شخص متاثر ہوتا۔ آپؒ کی سادگی، اخلاق اور شفقت و ملاطفت سے یوں محسوس ہوتا جیسے انسانی لباس میں کوئی آسمانی فرشتہ زمین پر چل پھر رہا ہے۔ بلاشبہ آپؒ، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معیار "انک لعلی خلق عظیم" کا عکس ثانی تھے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص حضرتؒ کا کتنا بڑا نقصان بھی کیوں نہ کردیتا، آپؒ اس پر ناگواری کا اظہار نہ فرماتے، اور نہ ہی اس سے بازپرس فرماتے۔ ہاں! اگر کبھی کوئی خانقاہ سے زیادہ عرصہ تک غیر حاضر رہتا تو ناراضگی اور خفگی کے انداز سے استفسار ضرور فرماتے، لیکن اگر وہ اپنی کوئی مجبوری یا عذر بیان کردیتا تو عفو و درگزر سے کام لیتے۔"

علماء کا احترام:

حضرت اقدسؒ اپنے دور کے علماء کے سرخیل اور استاذ الاساتذہ تھے،

دینے اور تبلیغی اسفار میں دعوت قبول کرنے میں بھی علماء کی دعوت بلاتردد قبول فرمالیتے۔"

(اثر رجھویؒ: ص ۵۷، ۵۸)

مسلکِ اعتدال:

حضرت اقدسؒ باوجود اس کے کہ علم وفہم میں یکتا اور درس وتدریس کے امام تھے، خصوصاً حدیث وتفسیر میں تو اپنے دور میں حجت وسند کا درجہ رکھتے تھے، مگر آپؒ نے ہمیشہ اکابر علمائے دیوبند کی اتباع وتقلید کو سرمۂ چشم بصیرت بنائے رکھا، اپنے اکابر واسلاف کی راہ سے ایک انچ اِدھر سے اُدھر ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ دورِ حاضر کے متجددین اور نام نہاد محققین کی تحقیقات سے آپؒ کو نفرت تھی: اور سرِ عام بلکہ برسرِ منبر ان پر تنقید کرتے، اپنے متعلقین کو ایسے افراد کی تحریریں اور تقریریں پڑھنے اور سننے سے منع فرماتے، کھلے عام ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے۔ آپؒ نے ہمیشہ حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، اور حضرت لاہوریؒ کے مسلک کو اپنایا، ان کی رائے کو اہمیت دی اور اکابرینِ دیوبند پر ہی اعتماد فرمایا۔ اس لئے آپؒ جا بجا وعظ وبیان اور درسِ قرآن میں مودودیت، پرویزیت، نیچریت، چکڑالویت، انکارِ حدیث اور تخفیفِ دین کی تمام تحریکوں کے خلاف سخت تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اکثر وبیشتر اپنے مریدین ومتعلقین کو آپؒ کی یہ نصیحت اور وصیت ہوتی کہ ان جدت پسندوں کی جدید تحقیقات کے بجائے قدیم اکابر علمائے اُمت کی قدیم تحقیقات کو اپنایا جائے۔ ایسے ہی جب آپؒ کی حیات میں فتنۂ انکارِ حیات انبیاءؑ نے سر اٹھایا تو آپؒ نے نہ صرف اس سے برأت وبیزاری کا اعلان کیا، بلکہ اس کے خلاف باقاعدہ ایک تحقیقی رسالہ "القول المحقق فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" مرتب فرما کر شائع کیا اور باور کرایا کہ اس مسئلے میں میرا مسلک وہی مسلکِ اعتدال ہے جو اکابر علماء دیوبند کا ہے۔

سیاسی مسلک:

بنیادی طور پر حضرت اقدس نو شعبی کی اپنی درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد کے میدان کے غازی تھے، بلکہ صحیح معنی میں آپ اس میدان کے شہسوار تھے، موجودہ دور کی سیاست سے عملی طور پر آپ کنارہ کش رہتے تھے، لیکن جب اکابر اور بزرگوں نے حکم دیا تو آپ نے عملی سیاست میں حصہ لینے سے بھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ اعلائے کلمۃ اللہ اور نفاذ اسلام کی خاطر آپ نے وقت کے جابروں کے خلاف قومی اسمبلی کے انتخابات میں بھی حصہ لیا۔

حضرت بہلوی یوں تو علمائے دیوبند کے مسلک سے متعلق تمام چھوٹی بڑی جماعتوں کی سرپرستی فرماتے تھے لیکن خاص طور پر جمعیت علمائے اسلام سے آپ کو قلبی لگاؤ اور دلی تعلق تھا۔

''انوار بہلویہ'' کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب آپ کے ''سیاسی مسلک اور جمعیت علمائے اسلام سے والہانہ تعلق'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت اقدسؒ مسلک علمائے دیوبند کی تمام جماعتوں کے ساتھ بزرگانہ شفقت سے پیش آتے، مگر شیخ الاسلام مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی نسبت سے جمعیت علمائے اسلام سے آپؒ کو والہانہ محبت تھی۔ آپؒ ملک میں شرعی نظام کے نفاذ کے لئے شب و روز دعا کرتے رہے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے حکم پر جمعیت علمائے اسلام کے ٹکٹ پر شجاع آباد کی قومی اسمبلی کی سیٹ سے انتخاب لڑا، سرمایہ داروں کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور ۲۲ ہزار ووٹ حاصل کئے، بعض

معاندین کے جواب میں فرمایا: بھائی! ہم نے تو قرآن کے نام اور اکابر کے حکم پر انتخاب لڑا ہے، اور بھٹو جیسے بے دین لیڈر کی شعبدہ بازیوں سے اپنے احباب کا ایمان بچایا ہے۔ جمعیت علماء اسلام کے بارے میں فرماتے کہ: میں شرح صدر سے کہتا ہوں کہ جمعیت علمائے اسلام حق پر ہے۔

۱۹۷۵ء میں ایک بار آپؒ کے ہاں مدرسہ اشرف العلوم میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ تشریف لائے اور تقریباً چار گھنٹے تک آپؒ کے پاس قیام فرما رہے۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! دُعا فرماویں ہمیں اس وقت سب سے بڑے جابر و ظالم اور آمر سے سابقہ ہے، مفتی صاحبؒ کا اشارہ بھٹو کی طرف تھا، اس پر حضرتؒ نے فرمایا: حضرت! میں تو دن رات آپ کے لئے دُعائیں کرتا ہوں۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے مقابلے میں مرکزی جمعیت کا اعلان کیا تو کراچی کے ایک بہت بڑے عالم کی طرف سے پیغام دیا کہ آپ مرکزی جمعیت میں شامل ہو جائیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا: بھائی! ہم نے رُوحانی طور پر (مولانا احمد علی لاہوریؒ کو) ایک باپ بنایا ہے، ہمیں اس کے بعد کسی دُوسرے کو باپ بنانے کی ضرورت نہیں (لہٰذا جمعیت علمائے اسلام کے علاوہ کسی دُوسری جماعت میں شامل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی اپنا نسب بدل لے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکے گا)۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدسؒ کا مدرسہ اشرف

العلوم اور خانقاہ، جمعیت علمائے اسلام کے کارکنان اور اکابر کا مرکز تھے۔"
(ص ۲۵، ۲۶)

حزم و احتیاط:

عام طور پر کاروباری پیر اور نام نہاد مقتدا جائز و ناجائز، حلال و حرام، مال مشکوک اور زکوٰۃ و ہدیہ میں تمیز نہیں کرتے، بلکہ بعض پڑھے لکھے دین دار علماء بھی اس کا خیال نہیں کرتے، مگر ہمارے حضرت بہلوی اس معاملے میں نہایت حزم و احتیاط کا مظاہرہ فرماتے۔ اگر کوئی آدمی کچھ پیش کرتا تو حضرت اس کی وضاحت ضرور چاہتے کہ کس مد کی ہے؟ مدرسہ کی ہے یا لنگر کی؟ زکوٰۃ ہے یا صدقہ؟ ہدیہ ہے یا عطیہ؟ چنانچہ "انوار بہلویہ" کے مرتب لکھتے ہیں:

> "حضرت اقدسؒ زکوٰۃ کی رقم سے اپنے مہمانوں کو کھلانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر معتقدین میں سے کوئی شخص آپ کو کوئی رقم پیش کرتا تو آپؒ اس سے وضاحت سے پوچھتے کہ یہ رقم مدرسہ کی ہے یا لنگر کی؟ اگر زکوٰۃ کی رقم ہوتی تو فوراً منتظمین مدرسہ کو دے کر رسید دلا دی جاتی۔
>
> ایک بار ایک شخص گندم کی دو بوری بیل گاڑی پر لایا اور عرض کیا حضرت! یہ آپ کے لنگر کی گندم ہے۔ آپ نے فرمایا: مدرسہ کی ہے، یا میرے گھر کی؟ اس نے عرض کیا: حضرت! آپ کے گھر کی ہے۔ تب آپؒ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: سبحان اللہ! جب حضرت باہر نکلے تھا تو میری بوڑھی گھر والی نے کہا: آج گندم ختم ہو گئی ہے، دیکھو خداوند تعالیٰ نے

لنگر کا انتظام کر دیا ہے۔" (ص:۹۵)

اسی طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ایک بار کھیروالے کے بڑے زمینداروں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا، اس کے ورثاء نے وراثت تقسیم کئے بغیر مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے بہت سے کپڑے وغیرہ حضرتؒ کی خدمت میں بھجوائے، آپؒ نے وارثوں سے پوچھا کہ: کیا وراثت تقسیم کر کے بھیجا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا، تو آپؒ نے وہ سب کچھ واپس کر دیا اور فرمایا: پہلے شرعی طریقے سے وراثت تقسیم کرو، پھر جس وارث کی مرضی آئے وہ اپنے حصے سے صدقہ دے۔ چنانچہ وراثت کی تقسیم کر کے جب حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؒ نے قبول فرمایا۔" (ص:۱۵)

"اسی طرح آپؒ بے نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے، اور فرماتے کہ اس سے دل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی آپؒ سالکین کے لئے پکنے والی لنگر کی روٹیاں مدرسہ کے تندور سے پکوانے سے بھی احتراز فرماتے تھے، گویا لنگر اور مدرسہ کے حساب و عمل الگ الگ رکھتے۔" (ص:۹۸)

ایسے ہی اکثر و بیشتر آپؒ اس کی بھی تحقیق کرتے کہ مدرسہ پر آکر میں دینے والے کی کمائی حلال کی ہے یا حرام کی؟ اگر اس کے ذرائع آمدنی حرام یا مشکوک ہوتے تو اس کا مال بھی قبول نہ فرماتے۔

قرآن کریم سے شغف:

یوں تو ہر مسلمان کو قرآن کریم سے ایک خاص تعلق اور محبت ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ وصول الی اللہ کی بہترین سیڑھی اور ذات الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ "حبل اللہ الممدود" اور صفت الٰہی ہے، مگر اہل اللہ کو اس سے ایک خاص جذباتی تعلق ہوتا ہے، اس لئے وہ جہاں اس کی تلاوت کا خصوصی اور کثرت سے اہتمام کرتے ہیں، وہاں وہ اس کے معانی و مفاہیم، علوم و معارف اور تفسیری نکات سے خصوصی شغف اور تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے حضرت جہلمی بھی جہاں قرآن کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام فرماتے، وہاں آپ اس کی تعلیم و تفسیر پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے، ایسے محسوس ہوتا جیسے آپ کی زندگی کا مقصد وحید ہی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے تفسیری نکات ہے۔ چنانچہ "انوار جہلمی" کے مرتب لکھتے ہیں:

> "حضرت جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور تفاسیر کے مطالعے سے خصوصی شغف اور ذوق تھا۔ آپ قرآن کریم کے حافظ و قاری تھے۔ صبح کی نماز خود پڑھاتے، اور حسن و ترتیل کے ساتھ نہایت خوبصورت اور دلکش انداز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ ایسا لگتا جیسے قرآن کریم سننے والے کے دل میں اترتا جا رہا ہے۔ عام طور پر جب آپ صبح کی نماز میں طوال مفصل کی تلاوت فرماتے تو جی چاہتا کہ حضرت تلاوت کو مزید بڑھا دیں۔ نماز کے بعد تسبیحات اور دعا سے فراغت کے بعد معمولاً درس قرآن ہوتا۔ آپ درس قرآن میں شان نزول، ربط آیات، خلاصہ سورۃ کا اہتمام فرماتے، مجھ مختصر اور

> تحت اللفظ مگر بامحاورہ ترجمے کے ساتھ ساتھ اس طرح بسط و تفصیل سے تفسیر فرماتے کہ قرآن کریم کے علوم و معارف کو ہر عام و خاص مشاہداتی انداز سے سمجھ سکتے۔ قرآن کریم سے محبت و تعلق، شوق و رغبت کا یہ عالم تھا کہ حضرت کیسے ہی مریض یا جسمانی تکلیف میں مبتلا کیوں نہ ہوتے، بلکہ بعض اوقات تو شدید بیماری کے موقع پر بھی آپ درس قرآن کا ناغہ نہ فرماتے۔ اسی طرح آپ تلاوت قرآن میں بھی ناغے کے روادار نہ تھے، آپؒ نے اپنی تلاوت کا جو معمول بنا رکھا تھا، اس میں بھی کمی کوتاہی کے قائل نہ تھے۔" (ص:۱۲۴)

ایسے ہی آپؒ نے جب سے حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی اور ان کے حکم سے تفسیر قرآن پڑھانے کا معمول شروع فرمایا تو زندگی بھر اس میں تخلف نہ آنے دیا۔ بلا مبالغہ ساٹھ سال آپؒ نے شعبان/رمضان میں دورۂ تفسیر پڑھایا۔ جس میں سینکڑوں علماء اور طلبہ شریک ہوتے۔ قرآن کریم سے اسی شغف و تعلق کی علامت تھی کہ آپؒ شعبان/رمضان میں اپنی تمام تر مصروفیات کو منسوخ کرکے صرف اور صرف قرآن کی تعلیم و تفسیر کے لئے وقف ہو کر رہ جاتے۔ صبح آٹھ بجے سے دوپہر بارہ بجے اور ظہر سے لے کر عصر تک ایک ہی نشست میں بیٹھ کر شوق و ذوق اور رغبت سے قرآن کریم کی تفسیر پڑھاتا، آپ کے اسی عشق قرآن کا مظہر تھا۔ آپؒ کی قرآن کریم سے محبت و تعلق، اس کے علوم و معارف میں مہارت کاملہ کا اندازہ آپؒ کی تفسیر "تفسیر جہوری"، "القول الوجیز فی اصول کلام العزیز" اور "اصطلاحات تفسیر القرآن الکریم" کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

بارگاہِ رسالت سے عشق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے جو دل خالی ہے، حقیقت میں وہ ایمان سے خالی ہے، جس دل میں آقا کی محبت نہیں وہ ویران و غیر آباد ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔"

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں کہلا سکتا جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو... اس لئے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے عشق کی حد تک محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آتا تو فرطِ جذبات سے سراپا ادب، اور عشق و محبت کی تصویر بن جاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ عشقِ رسالت کی تعلیم و ترویج اور اتباعِ سنت میں آپ کی روح کی بقا اور زندگی کا راز ہے، پاکستان میں رہ کر عشقِ مدینہ اور بارگاہِ نبوت کی حاضری کے لئے رونا، تڑپنا اور بے قرار رہنا آپ کا خصوصی امتیاز تھا، مگر مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران ایسا محسوس ہوتا جیسے مدینہ منورہ کی عظمت و جلال اور ادب و آداب نے آپ کے ہر ہر قول و فعل اور حرکت و سکون پر پہرے بٹھا رکھے ہیں، اس لئے خدام نے دیکھا کہ آپ مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر سراپا عجز و نیاز کی تصویر ہوتے، وہاں کے انسانوں کے علاوہ مدینہ سے نسبت رکھنے والی ہر شے حتیٰ کہ بے جان اشیاء کا بھی اس طرح ادب فرماتے کہ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ جاتے۔ ایک بار مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر ایک صاحب نے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کے پتھروں کو بے توجہی اور بے پرواہی سے اٹھا کر یوں ہی دور پھینک دیا تو

اس پر بھی خفگی کا اظہار فرمایا۔ ''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب مولانا محمد عابد صاحب کے حوالے سے ''بارگاہِ رسالت اور حضرت بہلوی'' کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک حدیث پاک میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک اس کو مجھ سے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو۔ احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ جس طرح ''کارِ نبوت'' سے محبت ضروری ہے، اسی طرح ''ذاتِ نبوت'' سے بھی محبت ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر سے اُنس، محبت اور عقیدت ''معیارِ شریعت کے مطابق'' ہونی چاہئے، ہر مسلمان کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے، مگر جس اُنس و عقیدت کے ساتھ آپؒ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے، اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تذکرۂ نبوی کے وقت مجلس پر سرور کا ایک کیف طاری ہو جاتا۔ اکثر و بیشتر آپؒ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں، اسی ذیل میں آپؒ نے متعدد رسائل بھی تحریر فرمائے: اسی محبت کے پیش نظر آپؒ متعلقین کو اتباعِ سنت کی ترغیب دیا کرتے۔

حرمین سے محبت و اُنس ہر مسلمان کو ہوتا ہے، مگر عارفین کی ''شانِ اُنس'' کچھ نرالی ہوتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حرمین کا تذکرہ ہوتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی نے دل کا ساز چھیڑ دیا، حرمین سے محبت و اُنس کے ساتھ کمال درجے کا ادب بھی حق جل شانہٗ نے آپؒ کو عطا فرمایا تھا۔

آپؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحئی صاحب دامت برکاتہم جب پہلی مرتبہ حج کے لئے جانے لگے تو آپ نے مسائل حج پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ "تحفۃ الفقیر الی مکۃ" کے نام سے تحریر فرمایا۔ حج کے لئے سفر کرنے والے جب دعا کے لئے حاضر خدمت ہوتے تو عموماً آپ ان سے فرماتے:

۱۔ کسی عالم کی رفاقت اختیار کرنا (تاکہ مناسک حج صحیح صحیح ادا ہو سکیں)۔

۲۔ نظر کی خوب حفاظت کرنا۔ پھر فرماتے کہ حاجی کا حج اگر قبول ہو جائے تو کم از کم چار سو آدمیوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے اور اگر اس نے حج ضائع کیا تو اسی درجے کی گمراہی پھیلنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ قبول حج کی علامت یہ ہے کہ پہلی حالت سے اچھا ہو جائے۔ آپ حرمین کی طرف جانے والوں کو اس بات کی خصوصیت سے تلقین فرماتے کہ وہاں کے اہل عرب کے ساتھ تحقیر کا معاملہ ہرگز نہ کریں۔ ان کے گرد، پھلوں کی طرف ہرگز نظر نہ کریں اس لئے کہ وہ تو پاک زمین کے ہیں اور پاک زمین میں مدفون ہوں گے۔ ان کو تو شفاعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو جائے گی، تیرا میرا پتا نہیں کیا حال ہوگا؟

(احقر مرتب عرض کرتا ہے) جن لوگوں نے آپ کو حرمین شریفین میں دیکھا ہے وہ آپ کے ادب اور عظمت کی عجیب کیفیت بیان کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے بیان

کیا کہ ہم دیکھتے تھے کہ مدینہ منورہ میں عشاء کے بعد جب مسجد نبویؐ کا دروازہ بند ہوتا تو آپؒ سب سے آخر میں نکلنے والوں میں ہوتے۔ پھر تھوڑی دیر آرام کے بعد دروازہ کی چوکھٹ پر پُر کیف انداز میں موجود رہتے اور تہجد کے وقت جوں ہی دروازہ کھلتا آپؒ اندر داخل ہو جاتے اور سارا دن ریاض الجنۃ میں گزارتے۔

ایک اور صاحب نے بیان کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک صاحب نے اپنی جگہ صاف کرنے کے لئے وہاں پر موجود پتھروں کو بے پرواہی سے زور پھینک دیا۔ آپؒ نے ان صاحب کو بلایا اور تنبیہ کی کہ تم نے اس پتھر کو عام پتھر سمجھا تھا کہ اس بے پرواہی سے پھینک دیا، اگر ایسی ہی ضرورت ہو تو اس کو اٹھا کر دور جا کر خود رکھنا چاہئے۔

اللہ اکبر! کیا شان تھی ادب و عظمت کی۔ اللّٰھم ارزقنا منہ!

راقم الحروف نے مدینہ منورہ سے ایک دفعہ آپؒ کی وفات سے چند ماہ قبل عریضہ تحریر کیا، جو آپؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؒ کے خادم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے جواباً تحریر کیا کہ حضرتؒ نے آپ کے لئے دعا سلام لکھنے کا فرمایا ہے اور اپنی وہاں حاضری کا مشورہ دریافت فرمایا کہ مجھ جیسے ضعیف کے لئے سفر و قیام کی کوئی آسان صورت ہو تو تحریر فرمائیں۔ سبحان اللہ! کیا عجیب شان تھی۔ جبکہ یہ وہ دور تھا جب آپؒ اپنی علالت کے باعث مسجد میں نماز کے لئے بھی نہ آسکتے تھے مگر شوق اور بلند ہمتی کمال درجے کی تھی۔ آپؒ کا وصال ۲۲؍ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کو ہوا۔ صرف تین ہفتے قبل میرا ایک عریضہ آپؒ کی

کر آپؒ آبدیدہ ہوگئے۔“ (ص:۴۳)

آپؒ کی دلی خواہش اور آرزو تھی کہ آپؒ مستقل مدینہ منورہ کے ہوکر رہ جائیں اور اس کے لئے باقاعدہ طے بھی فرمالیا، لیکن حضرت درخواستی اور دوسرے اکابر کی رائے اور مشورے کے بعد آپؒ نے مجبوراً یہ پروگرام منسوخ فرمادیا، چنانچہ ”انوار بہلو یہ“ میں ہے:

الف:... ”حضرت اقدسؒ نے زندگی کے آخری ایام میں مستقل مدینہ منورہ میں قیام کا مصمم ارادہ فرمالیا اور بعض خدام نے حکومتِ سعودیہ سے اقامہ وغیرہ بھی حاصل کرلیا، لیکن حضرت درخواستی جب شجاع آباد تشریف لائے اور انہیں آپؒ کے عزم کا علم ہوا تو آپؒ نے استخارہ فرمایا اور کہا کہ: حضرت! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس روحانی چشمۂ فیض کو پاکستان ہی میں جاری رکھیں۔ مجھے اشارہ ہوا ہے کہ آپ کا یہاں رہنا اہلِ پاکستان کے لئے زیادہ مفید ہے۔ آپؒ، حضرتؒ کی رائے اور مشورہ بلکہ حکم سن کر آبدیدہ ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا: میری دلی تمنا تھی کہ میری قبر مدینہ منورہ اور جنت البقیع میں بن جائے، مگر آپ کے حکم کی سرتابی کیسے کرسکتا ہوں؟ چنانچہ آپؒ نے پھر مدینہ منورہ کی مستقل اقامت کا ارادہ منسوخ کردیا۔“

(ص:۴۷)

ب:... ”آپؒ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے: میں نے اس ضعف و بڑھاپے کے باوجود بار بار حرمین شریفین کے پے در

لوں گا، اور نہ آئندہ کسی کو دوں گا۔ چنانچہ حضرتؒ کے اس بابرکت عمل سے یہ رسم جاتی رہی، اور خدام کو بھی اس طرزِ عمل سے اس رسمِ بد سے چھٹکارے کی شکل میسر آگئی۔

ب:... ''ایک دن آپؒ خلوت میں بالاخانے میں مطالعے میں مصروف تھے کہ خان گڑھ کے چند احباب بلااجازت بالاخانے پر حاضر ہوئے، تو آپؒ نے فرمایا: آپ حضرات نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے، ایک تو بلااجازت اندر داخل ہوگئے، اور دوسرے سلام نہیں کیا۔ یہاں سے اُٹھیں، باہر جائیں، پہلے اجازت لیں، سلام کریں اور پھر اندر آئیں۔ احباب نے تعمیلِ ارشاد کے بعد آپؒ سے معافی چاہی تو آپؒ نے معاف کردیا اور آئندہ کے لئے تاکید فرمائی کہ کوئی کام خلافِ سنت نہیں ہونا چاہئے۔'' (ص:۱۱۶)

ج:... ''آپؒ ہمیشہ ہر کام سنت کے مطابق کرتے، اور اُسوۂ نبویؐ کے مطابق ہر کام داہنے ہاتھ اور داہنی طرف سے کرتے، حتیٰ کہ جوتا پہنتے، مسجد میں داخل ہوتے اور استنجا کرتے وقت بھی اس کا اہتمام ہوتا۔

آپؒ سے ایک صاحب نے تعویذ مانگا، آپؒ جب تعویذ لکھ کر دینے لگے تو سائل نے بائیں ہاتھ سے لینا چاہا، آپؒ نے منع فرمادیا اور فرمایا: داہنے ہاتھ سے لو۔'' (ص:۱۱۷)

د:... ''ایک دن آپؒ باہر چارپائی پر تشریف فرما تھے، آپؒ کے بھانجے اور داماد مولانا عبدالحمید صاحبؒ وہاں سے بے خیالی میں گزرے تو آپؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: یہ کون

صاحب تھے؟ عرض کیا گیا کہ: مولانا عبدالحمید صاحب تھے، آپؒ نے ان کو بلایا اور فرمایا: مولانا! آپ نے سلام کیوں نہیں کیا؟ پھر فرمایا: واپس جاؤ اور سلام کرتے ہوئے گزرو، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "افشوا السلام!" (سلام کو عام کرو)، پھر فرمایا: کم از کم اسی سلام کی سنت کا ہی اہتمام کرلیں، شاید اس سنت کی برکت سے ہماری بخشش ہوجائے۔" (ص:۱۳۸)

۵:... "ایک بار حضرت مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہٗ صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، آپؒ کی خدمت میں عشاء کے بعد حاضر ہوئے، کسی نے حضرتؒ کو آپؒ کی آمد کی اطلاع کردی، آپؒ بنفس نفیس گھر سے ان کے لئے بستر لائے، رات کو آرام کیا، صبح کے درس کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرتؒ نے فرمایا: کیسے تکلیف فرمائی؟ عرض کیا: حضرت! اصلاح کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ دن بھر حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ فرماتے تھے کہ: عصر کی نماز حضرتؒ کے ساتھ کھڑے ہوکر ادا کی، میری عادت تھی کہ سجدے کے بعد دونوں ہاتھوں کے سہارے قیام کے لئے اُٹھتا تھا، اس لئے حسب معمول نماز میں اسی طرح اُٹھا، نماز کے بعد حضرتؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور آہستہ سے فرمایا: مولانا! آپ نے اتنی مدت تبلیغ حق کی ہے، مگر افسوس کہ نماز بھی جامع سنت کے مطابق نہ آئی؟ حضرت جالندھریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت اقدس کا

یہ محسوس ہوا کہ ہمارے قریب کے میرے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔
اسی لئے حضرت چاند محمدی فرمایا کرتے۔ جو شخص مر جاتا تو مرنے
کے پاس بیٹھا ہے اور اس کے لئے کسی کامل کے سامنے یہ حال
ہو جاتا ہے۔" (ص ۴۷)

حضرت کا فیض:

حضرت اقدس کے فیوضات عالیہ سے ایک عالم کا عالم مستفیض ہوا۔ کیا مرد کیا عورتیں، بچے اور بوڑھے سب ہی آپ کی برکت سے واصل بحق ہوئے۔ آپ نے جہاں مردوں کی اصلاح کے لئے خانقاہ و مدرسہ کا انتظام کیا تھا، ایسے ہی آپ خواتین کی اصلاح و تربیت سے بھی غافل نہیں رہے۔ چنانچہ جس طرح ہزاروں کی تعداد میں مرد حضرات آپ کی توجہات و تعلیمات سے سرفراز ہوئے۔ بے نمازی نمازی بن گئے، بے دین دین دار، غافل اہل ذکر و شغل، اور سرکش، متبع سنت بن گئے، ایسے ہی بہت سی بے پردہ عورتیں باپردہ اور بے دین دین دار بن گئیں۔ چنانچہ آپ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے باقاعدہ مدرسۃ البنات قائم کیا، جس میں حضرت کی بھتیجی اور حضرت مولانا عبدالحمید کی والدہ ماجدہ تدریسی کام چلاتی رہیں۔ ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالحمید صاحب کی اہلیہ محترمہ نے یہ کام جاری رکھا۔ جس میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ، بہشتی زیور، نماز کا مکمل طریقہ اور اس کے مسائل، حرام و حلال کے مسائل کے علاوہ عورتوں کے مخصوص مسائل کا درس ہوتا تھا، جبکہ جب صوفیا میں حضرت دین پورے کے پیچھے چلتے ہیں آتے تو مستورات کو خود مسائل کا درس دیا کرتے تھے۔

آپ عورتوں کا پردے کے پیچھے بیعت فرماتے، اور انہیں نماز کے اہتمام

اگر ہماری کوشش سے ایک عورت یا مرد ہدایت پر آ گیا اور اللہ والا بن گیا تو ہماری بخشش و مغفرت کے لئے کافی ہے۔ جلسہ صوفیا کے موقع پر آنے والے متعلقین، واردین و صادرین کو آپ کی یہی نصیحت ہوتی کہ توحید و سنت کی تبلیغ کرو یہ انبیاء والا کام ہے۔ فرماتے تھے: جس قدر ہمارے اور تمہارے دل میں تبلیغ کا درد اور اتباع سنت کا جذبہ زیادہ ہوگا اسی قدر میرا اور آپ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اونچا مقام ہوگا۔
(ص ۱۵۵-۵۶)

آپ فرماتے تھے کہ قادیانی اور دوسرے باطل پرست اپنے باطل دین کے لئے کس قدر سرگرم ہیں؟ لیکن ہم اپنے سچے دین کی تبلیغ سے کس قدر کیوں غافل ہیں؟

ایک بار فرمایا کہ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے پاس گئے اور فرمایا: بھئی تھوڑی سی بات سن لیں! اس نے ناراضگی کے لہجے میں کہا چل ایسا ویسا! میں تیری بات سننے کے لئے تیار نہیں! آپ نے بڑی عاجزی سے کہا: بھائی! میری بات سن لیں۔ مگر اس ظالم نے آپ کو زور سے دھکا دیا اور آپ دور کیچڑ گڑھے میں جا گرے۔ آپ اٹھے، کپڑے صاف کئے اور اپنی پگڑی اتار کر اس کے پاؤں پر رکھ دی۔ تو اس نے کہا: مولوی! تو نے تو مجھے مار ڈالا، بتا کیا کہتا ہے؟ آپ نے اپنے معمول کے چھ نمبر تبلیغ کا ذکر کر کے جماعت میں جانے کے لئے اس سے وقت مانگا۔ تو آپ کے عجز و نیاز نے اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ جماعت میں نکل کھڑا ہوا، تو اس کی وجہ سے پورا موضع ان کو ہدایت نصیب ہوئی۔ (ص ۱۵۶)

تبحر علمی:

آپ کے علم و فضل اور تبحر علمی کا ہر کوئی معترف ہے۔ آپ کی علمی و تدریسی

اور اصلاحی خدمات کا کسی قدر مختصر تذکرہ گزشتہ سطور میں آچکا ہے۔ اسی طرح آپؒ کے تبحر علمی کا کسی قدر ذکر آپؒ کی تصانیف کے تعارف کی شکل میں آچکا ہے۔ چنانچہ آپؒ کی تصانیف میں سے "معدلات الفقہ الحنفیہ" کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان بھر کے دینی مدارس کے اس دور کے جبال علم اور اساطین اُمت نے اس کتاب کو وفاق المدارس کے نصاب میں شامل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس وقت حضرتؒ مسلک احناف کے مُسلّم امام اور حنفیت کے ترجمان ہیں۔ چنانچہ آپؒ کی اس کتاب کی تعریف و توصیف اور تصدیق و تقریظ میں اس وقت کے اکابر علماء اور ارباب علم نے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہاں درج کر دیا جائے، تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ جلیل القدر اہل علم میں حضرت بہلویؒ کو کیا مرتبہ و مقام حاصل تھا؟ اور اکابرین اہل علم، آپؒ کی علمی مہارت، گہرائی و گیرائی کے کس قدر قائل تھے؟ چنانچہ آپؒ کی اس عظیم تحقیقی تالیف پر بالترتیب حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ مدیر جامعہ خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا مفتی محمود شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ مدیر مخزن العلوم خانپور، اُستاذ الکل حضرت اقدس مولانا عبدالخالق مدیر دارالعلوم کبیر والا ملتان اور محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے نہایت ارفع انداز میں آپؒ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے بہترین تعریفی تقریظ قلم بند فرمائیں۔

حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ اجل اور ترجمان مسلک احناف حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ آپؒ کی جلالت اور رفعت علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"...... یہ کتاب احادیث شریف کے ان دلائل کا مجموعہ ہے جو امام الائمہ، سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ کے مذہب کے بعض فروعی مسائل پر دیئے گئے ہیں۔

ان احادیث دلائل کو مع حواشی کے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مرشدین، علمی و عملی کمالات کے حامل، صاحب تقویٰ علامہ مولانا عبداللہ جہلوی نے جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری، باطنی فیوض و کمالات سے اہل اسلام کو مستفیض فرمائے، آمین!

میں نے اس کتاب کے بیشتر حصوں کے مطالعے کا شرف حاصل کیا ہے، جس میں نے اس کتاب کو حنفی طلبہ کے لئے نافع اور مفید پایا ہے، اور جو طلبہ بڑی کتابوں کی تعلیم کی فرصت رکھتے ہیں، ان کے لئے کافی و شافی ہے۔

اے اللہ! اس کتاب کو مؤلف موصوف کے رفیع درجات اور نجات آخرت کا ذریعہ بنا، آمین!

رحمت الٰہی کا طلب گار
فقیر محمد

محمود الملۃ والدین، فقیہ العصر، حضرت الاقدس مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ آپ کی کتاب کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی علمی سیادت کا یوں اعتراف فرماتے ہیں:

"..... میں نے اس مفید اور بلند قامت احادیث کے مجموعے کا مطالعہ کیا، جسے علوم نبوت کے امین، بزرگ رہنما، دین حق کے پرچم کے حامل، سلسلۂ نقشبندیہ معصومیہ کے شیخ المشائخ، طریقت کے آداب سے مزین، مولانا عبداللہ جہلوی افاض اللہ علینا من لطفہ الخفی والجلی نے تالیف کیا ہے،

جن میں سے نرالی شان اور واضح دلائل پر مشتمل پایا جو اصولی مسائل اور اہم دلائل کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ان کی احادیث کو شامل ہے جو قابل اعتماد ہونے کے علاوہ ضعف و اضطراب سے پاک ہیں۔ اور نہایت ہی عمدہ مآخذ سے ماخوذ ہیں، اور جن کی تفصیل بہت ہی جلی ہے۔

مصنف کی علمی شان کے کیا کہنے! کہ انہوں نے ہر باب میں ایسے ایسے دلائل جمع فرمادیے کہ جن سے مغز پوست سے جدا ہوگیا اور حقائق کے چہرے سے شبہات کے پردے ہٹ گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مصنف نے حاشیہ پر متعلق مسائل کی واضح الفاظ و عبارات سے صاف، عمدہ اور نہایت ہی کافی دلائل سے تفصیل بیان فرمائی ہے۔

لہٰذا! یہ کتاب علماء، طلبہ کے لئے بے حد نافع اور مفید ہے، بلاشبہ مصنف نے (یہ کتاب لکھ کر) احناف پر احسان عظیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے پوری پوری جزائے خیر عطا فرمائے اور خلیہ کو اس کے ذریعہ پورا پورا نفع پہنچائے۔

احقر الفقر

محمود عفی اللہ عنہ"

ولی کامل، استاذ العلماء، حافظ الحدیث، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی قدس سرہ نے حضرت کی علمی رفعت کا یوں اقرار فرمایا ہے،

"..... میں رمضان المبارک میں قرآن کریم کا ترجمہ،

تفسیر پڑھانے میں مصروف تھا کہ اس دوران کتاب وسنت کے
عالم، فاضل علامہ حضرت مولانا عبداللہ کی تالیفات میں سے
ایک مفید مجموعے کی زیارت ومطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ پس
میں اسے طلباء وعلماء کے لئے بے حد مفید اور کارآمد سمجھتا ہوں، جو
کہ مسائل ودلائل سے مملو ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس
مجموعے کو اپنی رضا کا سبب اور اشاعتِ دین کا ذریعہ بنائے،
آمین! محمد عبداللہ درخواستی"

استاذ الاساتذہ، دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت وکامیاب مدرّس،
جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالخالق قدس سرہٗ بانی دارالعلوم
کبیر والا آپؒ کی علمی شان کا اعتراف کرتے ہوئے کتاب پر یوں تقریظ لکھتے ہیں:

"..... پس میں حدیث کے اس مفید اور نافع مجموعے
سے آگاہ ہوا جو مفید حواشی کے علاوہ نہایت ہی روشن احادیث پر
مشتمل ہے۔ میرے نزدیک احادیث کا یہ انتخاب عجیب، حدیث
کے طلبہ کے لئے بے حد نافع اور مسلکِ احناف کے لئے بہت
ہی خوبصورت انداز کی تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ
اسے حسنِ قبول سے نوازیں گے، اور مصنف کو مزید توفیق عطا
فرمائیں گے۔ محمد عبدالخالق
دارالعلوم کبیر والا۔"

جانشین امام العصر حضرت کشمیریؒ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف
بنوری قدس سرہٗ مصنفؒ کی تحقیق وتدقیق کو یوں خراجِ عقیدت پیش فرماتے ہیں:

"..... میں نے اس سراپا مفید کتاب اور روشن احادیث

کے مجموعے کے متعدد ابواب کا مطالعہ کیا، جو امام العصر اور
میرے شیخ کشمیری کے تلمیذ اور ربانی عالم مولانا عبداللہ بہلوی کی
تصنیف ہے،

میں نے دیکھا کہ اس کے مآخذ عمدہ اور قابل اعتماد
ہیں اور موصوف نے ان میں جو جو احادیث تحریر فرمائی ہیں،
نہایت مفید اور نافع ہیں۔ موصوف کی یہ کوشش جس طرح حدیث
کی خدمت ہے، اسی طرح فقیہ الامت حضرت امام ابوحنیفہ کے
مذہب کی بھی خدمت ہے۔

موصوف نے اس میں نہایت واضح عبارت و الفاظ
سے ایسے حدیثی و فقہی فوائد جمع فرمادیے ہیں، جن سے حدیث
کے طالب (انشاء اللہ) خوب خوب نفع اٹھائیں گے، موصوف کی
عبارت میں کسی قسم کا ابہام و اغلاق نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ اس سے طلبہ
حدیث کو نفع عطا فرمائیں گے......

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ"

صرف یہی نہیں کہ آپ کو محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس
سرہ نہایت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے، بلکہ ایک بار فرمایا: تم تو حضرت کشمیریؒ کے
متاخرین تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت بہلویؒ تو آپ کے متقدمین شاگردوں میں
سے ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے آپ کو اپنے ادارے میں دعوت دی، تشریف آوری پر
آپ کو اپنی تصانیف کا سیٹ عطا فرمایا اور دعاؤں کی درخواست کی۔

ایک بار آپ سفر حرمین شریفین پر تھے، کہ مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر حضرت مولانا عبدالغفور مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری ہوئی، وہاں بنگال کے چالیس علماء تشریف فرما تھے جو رفع جسمانی، حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قادیانی شبہات اور آیت "اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک و رافعک" میں مرزائی تلبیسات کی وجہ سے پریشان تھے، جس کی تشفی کے لئے انہوں نے حضرت مدنیؒ سے درخواست کی تو آپؒ نے حضرت بہلوی قدس سرہٗ سے فرمایا: آپ ان کے اشکالات کا جواب دیں اور ان کی تشفی کرائیں۔ حسب ارشاد حضرت بہلویؒ نے پورا ایک گھنٹہ اس آیت کی تفسیر، معانی اور مطالب بیان فرما کر قادیانی تلبیسات کے تار و پود بکھیرے، جب ان حضرات کے سامنے حقائق آئے تو مطمئن کرائے، آخر میں ایک ایک سے فرداً فرداً پوچھا کہ اگر اب بھی کوئی اشکال رہ گیا ہو تو فرمائیں، تاکہ اس کا جواب دیا جائے، چنانچہ ان سب حضرات نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرتؒ کو خوب خوب دعاؤں سے نوازا۔

کرامات:

کرامت خرق عادت کو کہتے ہیں، یہ درحقیقت فعل الٰہی ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں، سلوک و احسان کی لائن میں کشف و کرامات کو معیار مقبولیت نہیں سمجھا جاتا، اس لئے اکابر حتی الامکان اپنے کشوف و کرامات کو چھپاتے ہیں، البتہ گاہ بگاہ بے اختیار ایسے امور ظاہر ہو جاتے ہیں جن کو بعض خدام محفوظ کر لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے حضرت کا ذوق بھی تھا، حضرتؒ پر خفا کا صد درجہ غلبہ تھا، جس کی وجہ سے حضرت کی کرامات کا صحیح معنی میں کسی کو علم نہیں ہو سکا، تاہم جناب ماسٹر محمد عمر صاحب نے "انوار بہلویہ" میں ایسے متعدد

واقعات نقل فرمائے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند ایک نقل کئے جاتے ہیں:

موتیا دُور ہو گیا:

بندہ احسان الحق بودلہ کو آنکھوں میں سیاہ موتیا کے آثار شروع ہوئے، مگر میں آپریشن سے گریزاں تھا، رحمت نزلی کہ جس قدر آپریشن سے متنفر تھا، اسی قدر بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ مرشد جی کی دعاؤں کا معتقد اور معتمد تھا۔ بھائی بہنوں کو میرے مرض سیاہ موتیا کا علم ہوا، سب منت سماجت کرتے رہے، مگر میرا سب کی خدمت میں آخر یہی جواب ہوتا کہ: میرے اس مرض کا علاج حضرت جی کی دعا ہے، بلکہ کبھی یہ بھی کہہ دیتا کہ: میں قبلہ حضرت جی سے آپریشن کراؤں گا۔ حتیٰ کہ کنبہ بلکہ اقارب میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ پیر کا اندھا معتقد عنقریب اندھا بن بیٹھے گا۔ اسی اثنا میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ حال سنایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ: ڈاکٹر صاحب کو دکھاؤ! میں نے آپؒ کے خادم مولوی غلام مصطفیٰ کو ساتھ لیا اور ڈاکٹر محمد صدیق صاحب ایم بی بی ایس خاص کر ماہر امراضِ چشم جن کا قبلہ حضرت جیؒ کے مہمان خانے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہسپتال تھا، دونوں حاضر ہوئے، معائنہ کرایا، انہوں نے فرمایا کہ: کالا موتیا اُتر رہا ہے، آج ہی آپریشن کراؤ! لیکن میں ان سے آنکھ بچا کر چپکے سے نکل آیا۔ قبلہ حضرت جی قدس سرہٗ کی خدمت میں حال عرض کیا، خاموش ہو گئے، ہفتے کے بعد پھر فرمایا کہ: بہاولپور ڈاکٹر برقی صاحب کے پاس جاؤ! بندہ دُوسرے دن بہاولپور گیا، ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا اور فرمایا کہ: موتیا سیاہ اُتر رہا ہے، ایک ہفتہ دوائی ڈالو اور ہسپتال میں داخل رہو، اگر ضرورت ہوئی تو آپریشن کروں گا۔ ہفتے کے بعد دُوسری دوائی دے کر تاکید فرمایا کہ یہ دوائی روزانہ ڈالتے رہنا اور ہر دو ماہ بعد دکھاتے رہنا، ورنہ بصورتِ دیگر بینائی سے بہت جلد محروم

ہوجاؤ گے۔ بندہ سخت پریشان واپس آکر قبلہ حضرت جی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ بہاولپور نہیں گیا تھا؟ سارا حال عرض کیا، اللہ جل شانہ کے فضل سے قبلہ حضرت جی کی دعاؤں اور توجہ سے موتیا کا نام تک نہ رہا۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر برقی صاحب سے معائنہ کرایا تو انہوں نے رپورٹ لکھ دی کہ احسان الحق کو نہ موتیا ہے اور نہ آئندہ اس کو موتیا ہو سکتا ہے۔

کھانے میں برکت:

صوفی منظور احمد حجام جو کہ تقریباً پچیس سال قبلہ حضرت جی قدس سرہ کا حجام رہا۔ دوسرے آپ کی شجاع آباد وحبیب آباد کی ساری زندگی خدمت انجام دیتا رہا۔ حضرت قدس سرہ کی شجاع آباد آمد کے چند برس بعد اس کو دعوت کا شوق ہوا کئی دن منت سماجت کے بعد آپ نے اس کی دعوت قبول فرمائی، لیکن بیچارے حجام صاحب کی غربت کے باعث سکیم نہ ہو پائی، چنانچہ ایک دن صوفی منظور احمد گھر میں مشورہ اور دعوت کی تیاری کرکے حاضر ہوا اور عرض کیا۔ حضرت! ہم نے آج تیاری کرلی ہے، براہ کرم مدرسے کے تینوں اساتذہ سمیت تشریف لاویں۔ حضرت جی قدس سرہ نے تمام طلباء اور مہمانوں کو حکم فرمایا کہ صوفی منظور احمد حجام کی دعوت ہے۔ سب چلو! تقریباً ساٹھ آدمی روانہ ہوئے۔ صوفی منظور احمد پہلے گھر پہنچا، بتایا کہ حضرت جی تو تمام طلباء اور مہمان تقریباً ساٹھ آدمیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ میاں بیوی حیران سوچ رہے تھے کہ کھانا تو تین چار آدمیوں کا ہے اور مہمان ساٹھ؟ اتنے میں قبلہ حضرت جی مع جملہ مہمانان پہنچ گئے، منظور احمد کو بلایا۔ وہ حاضر ہو گیا، قبلہ حضرت جی قدس سرہ نے آٹے اور ہانڈی میں قدرے لعاب ڈالا اور فرمایا کہ اب پکاؤ اور روٹی چلاؤ۔ صوفی منظور احمد کا کہنا ہے کہ ہماری عورتیں پکاتی اور روٹی رکھتیں، سب مہمان سیر ہوکر

فارغ ہوگئے، مگر سالن اتنا ہی تھا جتنا ہم پہلے سے تیار کر رہے تھے اور آٹا اتنا باقی تھا جتنا عورتوں نے گوندھا تھا، جو کہ بحمد اللہ! گھر کے کنبہ اور مہمانوں کو کافی ہوا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر راقم غلام مصطفیٰ کے گھر کا واقعہ ہے کہ بندہ انتہائی غریب تھا، قلت زیادہ خاص کر پیسہ کی اشد قلت تھی، لیکن قبلہ حضرت جی کی دعوت ضرور کرتا۔ آپؒ کو گھر میں لے آتا، باقی مہمانوں کا کھانا ملک صاحبان رحمہم اللہ کے سپرد تھا۔ قبلہ حضرت جیؒ کو فقط تنہا کھانا گھر میں کھلا کر ترغیب ذکر و نصیحت کرا کے دربار میں واپس پہنچا دیتا۔ ایک مرتبہ سب مہمانوں کو دعوت دینے کا شوق ہوا، گھر میں دودھ چاول کی کھیر پکوائی۔ اتفاقاً اعظم پور وغیرہ سے مہمان دو سو گنا اللہ تعالیٰ نے بھیج دیئے۔ دل میں تو خیر تک تشویش رہی کہ موقع پر مہمان کم تھے، انتظام بھی تھوڑا کم تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اتنی برکت نازل فرمائی کہ مہمان سب کے سب سیر ہوئے اور اپنے دونوں کنبے بھی، بلکہ گھر میں پڑھنے والے طلباء بچوں کو بھی تبرک تقسیم کیا گیا۔

اسی رات شادی ہوگئی:

حضرت اقدسؒ ایک مستجاب الدعوات بزرگ تھے، آپؒ کی مجلس مبارک میں عرض کیا جاتا: حضرت! دعا فرمادیں، آپؒ فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے اور بڑی الحاح وزاری سے دعا فرماتے۔ عرض کیا جاتا: حضرت! آج کل تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، دعا کریں، آپؒ فوراً دعا کے لئے ہاتھ کھڑے کر دیتے۔ ملک کے دور دراز علاقوں سے لوگ زیارت یا دعا کے لئے حاضر خدمت ہوتے، دعا کی درخواست کرتے، آپؒ اکثر فرماتے: بھائی! دعا کے لئے ہی تو بیٹھا ہوں۔

اسی طرح میرے ایک دوست منظر احمد صاحب جن کا خاندان تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہوا، ان کی شادی نہیں ہوتی تھی، ایک دفعہ میرے ساتھ حضرت اقدسؒ

کی زیارت کے لئے شجاع آباد حاضر ہوئے، اثنائے سفر انہوں نے مجھ سے کہا کہ:
میری شادی کے لئے حضرتؒ سے دُعا کروانا۔ چنانچہ حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں
مہمان خانے کے بالائی حصے پر حاضرِ خدمت ہوا، اور عرض کیا: حضرت! یہ ہمارے پیر
بھائی ہیں، ان کی شادی کی دُعا فرمادیں۔ آپؒ نے لیٹے ہوئے فرمایا: اچھا بھائی! میں
دُعا کروں گا۔ دس میل کی پیدل مسافت طے کرکے دریائے چناب کو کشتی سے عبور
کرکے واپس شام کو گھر آئے، حضرتِ اقدسؒ کی دُعائے مستجاب نے ایسا فوری اثر
دِکھایا کہ اسی رات شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔

رشتہ طے ہوگیا:

صوفی محمد یاسین صاحب ایک جسیم آدمی تھے، ان کی شادی محض فربہ ہونے کی
وجہ سے نہ ہوتی تھی۔ اس نے مجھے شجاع آباد حضرتؒ کی خدمت دُعا اور تعویذ کے لئے
بھیجا، حضرت کو عرض کیا گیا کہ: ہمارا ایک دوست ہے، اس کی شادی نہیں ہوتی، دُعا
بھی کریں اور تعویذ بھی مرحمت فرمادیں۔ پہلے تو آپؒ ناراض ہوئے کہ وہ خود کیوں
نہیں آیا؟ عرض کیا: وہ گاڑی پر سوار نہیں ہوسکتا، معذور ہے! پھر آپؒ نے دُعا فرمائی
اور تعویذ بھی عنایت فرمایا، الحمدللہ! اسی ماہ شادی ہوگئی۔

بدکاری سے حفاظت:

سردار احمد خان صاحب سندھ کے بہت بڑے زمیندار اور اپنے قبیلے کے
سردار ہیں، وہ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں بیعت ہوگئے، وہ فرماتے ہیں کہ: بیعت
کے بعد وہ کراچی کے ایک ہوٹل میں مقیم تھے، وہاں ایک آوارہ عورت خان صاحب
کے پاس آئی۔ اچانک خان صاحب نے دیکھا کہ حضرت شیخ مرشدؒ آگئے ہیں، بہت
ڈرا، غلط کاری سے باز آیا، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا حال سنایا، آپؒ نے

فرمایا: خداوند تعالیٰ جب کسی بندے کی رہنمائی کرتے ہیں تو اپنی رحمت کو لطیفہ شیخ کی شکل میں بھیج دیتے ہیں، ورنہ مشائخ حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ یہ واقعہ حضرتؒ نے ایک دفعہ خود سنایا۔

حضرتؒ کی بے ادبی کا وبال:

حضرت اقدسؒ جماعت خان گڑھ کی دعوت پر اگست ۱۹۶۸ء میں تشریف لائے، محمد حیات خان صاحب کی بیٹھک میں قیام تھا، دوپہر کے وقت حضرت اقدسؒ قیلولے کے لئے لیٹ گئے۔ بندہ محمد عمر اور محمد حیات خان صاحب آپؒ کی مٹھیاں بھرنے لگے، آپؒ ابھی نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ قریب ہی حافظ گل محمد صاحب کا لڑکا غلام شبیر ریڈیو چلا رہا تھا۔ ریڈیو کی اونچی آواز سے حضرت اقدسؒ نے کروٹ بدلی، محمد حیات خان صاحب نے غلام شبیر کو بلایا اور اس سے بڑی نیازمندی سے ریڈیو کی آواز کو آہستہ کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ "ہمارے حضرت صاحب تشریف فرما ہیں، ریڈیو کو بند کر دیں۔" غلام شبیر نے بطور اہانت بڑبڑاتے ہوئے کہا: "تمہارے حضرت روز روز آتے کھڑے ہیں!" خان صاحب مایوس ہو کر واپس آ گئے۔ موصوف نے آواز بند کی، تقریباً ایک ہی گھنٹہ گزرا تھا کہ مکان کا برآمدہ بڑے دھماکے سے زمین بوس ہو گیا، غلام شبیر سمجھ گیا کہ یہ میری بدکلامی کا نتیجہ ہے۔ ظہر کی نماز حضرت اقدسؒ نے مسجد نواباں میں ادا کی، ظہر کے بعد آپؒ درس حدیث دے رہے تھے کہ دوران درس غلام شبیر نے حضرت اقدسؒ کے پاؤں پکڑ لئے، رو رو کر معافی کا خواستگار ہوا، اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت اقدسؒ نے بیعت فرمالیا۔

ڈاکو کا توبہ کرنا:

شاہ جمال ضلع مظفرگڑھ کے ایک حافظ صاحب نے مجھے سنایا کہ: میں بڑا

ڈاکو اور چور تھا، نقب زنی میرا پیشہ تھا۔ تھانیدار مجھ سے تنگ آ گیا، تقسیم سے قبل ایک دین دار تھانیدار نے جو حضرتؒ کے مرید تھے، حضرتؒ کو دعوت دی۔ حضرت اقدسؒ تشریف لائے، رات کو تھانیدار نے مجھے دعوت دی کہ آپ مراقبہ و حلقہ ذکر میں شامل ہوں، میں آپؒ کے حلقۂ مراقبہ میں شامل ہوا۔ آپ کی توجہ مبارک سے مجھے وجد آ گیا، بعد میں حضرتِ شیخؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گیا، اور آئندہ پچھلی زندگی سے تائب ہو گیا، آج کل وہ سبزی فروش اور متبع سنت ہے۔

تمام لطائف جاری ہو گئے:

حضرتِ اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ حضرت قاری شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سناتے تھے کہ حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں بگلی شریف حاضر ہوا، شجاع آباد سے تانگے پر سوار ہوا تو راستے میں تانگے والے کو ایک سرکاری افسر تحصیلدار نے روک دیا، مجھے اتار دیا گیا، میں بگلی شریف پیدل پچیس میل جیسی مسافت طے کر کے حاضر ہوا، حضرتِ اقدسؒ نے معانقہ فرمایا، آپؒ نے ایک آم کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا کہ قاری صاحب! اس درخت کے نیچے جاؤ، بیٹھ کر ذکر کرو۔ میں آپؒ کے ارشاد پر وہاں جا کر ذکر کرنے لگ گیا، آپؒ نے ایک شخص کو اپنی قمیص دے کر بھیجا کہ قاری صاحب سے کہو کہ اپنے کپڑے اتار کر اس قمیص اور چادر کو پہن لیں، آپ کے کپڑے میلے ہو چکے ہیں، گھر بھیج کر دھلوا دیتے ہیں۔ قاری صاحب فرماتے تھے۔ جب میں نے اپنا قمیص اتار کر حضرت اقدسؒ کی قمیص پہنی، تو مجھے معانقہ کی طرح ایک جھٹکا لگا اور میرے بال بال سے اور تمام لطائف سے اللہ اللہ جاری ہو گیا۔ سلطان الاذکار تک تمام اسباق جاری ہو گئے۔

کرنا محسوس ہوتا تھا۔ آپ بہت ہی مہمان نواز اور مسکین پرور خاتون تھیں۔

دوسرا نکاح حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہ کی والدہ ماجدہ سے ہوا، مگر ایک عرصہ تک نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ حضرت مولانا محمد عمر چشتوی سے نرینہ اولاد کی دعا کی درخواست کی، تو حضرت نے فرمایا: ایک اور نکاح کرو، اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد عطا فرماویں گے، اور اس کا نام میرے بیٹے کے نام پر عبدالحی رکھنا۔ چنانچہ پہلی اہلیہ مرحومہ کی بھتیجی اور مولانا عبدالحی کی والدہ ماجدہ سے تیسرا نکاح ہوا، اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تو اس کا نام عبدالحی رکھا گیا، اس کے بعد دوسرے صاحبزادے ہوئے جن کا نام محمد ہاشم رکھا گیا۔ قدرت کا کرشمہ کہ ایک مدت کے بعد دوسری اہلیہ سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا جن کا نام عزیز احمد تجویز ہوا۔

حضرت اپنی ازواج مطہرات کی مہمان نوازی اور خانقاہ کی خدمت والے جذبہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"جس طرح میں بوڑھا ہوں، ایسے ہی عزیز احمد کی والدہ بھی بوڑھی اور ضعیف ہیں، مگر دو وقت یہ مہمانوں اور لنگر کے لئے دو سارا انتظام روٹی سالن پکانا ان کے ذمہ ہے۔ وہ جس قدر لنگر کی خدمت کرتی ہے میں حیران ہو جاتا ہوں، باوجود ضعف اور بڑھاپے کے شب و روز ساتھ ساتھ مہمانوں کے کھانے کا انتظام وہ خود کیا کرتی ہیں۔ گھر میں کوئی نوکر وغیرہ نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہمانوں کو کھانا کھلا کر پتا کھانا ختم ہو چکا ہے کہ باہر سے پیغام آ جاتا ہے کہ ایک مہمان کو مزید کھانا چاہئے، تو وہ اپنا کھانا اٹھا کر مہمان کو بھیج دیتی ہیں۔ میں بھی اس پر ان کی قدر کرتا ہوں کہ

بھلا یہ بھی کوئی آنے کا وقت تھا؟ مگر موصوفہ کہتیں کہ: آپ کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہمانوں ہی کے طفیل رزق اور عزت دی ہوئی ہے، جب اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور ہم پکاتے ہیں تو آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں؟

ان کا شوق و ذوق، جذبۂ ایثار اور قربانی دیکھ کر میں بے حد خوش ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے گھر والوں کو ذاکرین و شاغلین اور مہمانانِ رسول کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔"

اولاد:

آپؒ کے تین صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تھیں، تینوں بیٹے عالم فاضل اور متبع سنت تھے، جن میں سے دو حضرات تو آپؒ کے مجاز بیعت ہوئے، جبکہ مولانا محمد ہاشم صاحب کو اجازت وخلافت کا شرف عطا نہیں ہوا۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحیؒ تھے، جو آپؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے بھی مجاز ہوئے۔ "انوارِ بہلویہ" میں حضرتؒ کی اولاد کی تفصیل اور ان کے احوال اس طرح درج ہیں۔

مولانا عبدالحی قدس سرہٗ:

حضرت مولانا عبدالحیؒ، حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، جو حد درجہ خلیق، متواضع اور منکسر المزاج تھے، اور صحیح معنی میں حضرتؒ کی عادات و خصائل کے

مولانا محمد ہاشم صاحبؒ:

آپؒ حضرت مولانا سبحانی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی تھے، بہلی شریف کا مدرسہ آپؒ کی نگرانی میں چلتا تھا، حضرتؒ کی وفات حسرت آیات کے تین ماہ بعد سرطان کے موذی مرض سے وفات ہوئی، پسماندگان میں چھ لڑکے، چار لڑکیاں اور دو بیوائیں ہیں۔ بڑے خلیق اور متواضع تھے، تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہٗ:

حضرتؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ مدرسہ اشرف العلوم کے مہتمم ہیں، اور حضرت بہلویؒ کی خانقاہ کی خدمت بھی اب انہیں کے سپرد ہے، آپ مدرسہ خیر المدارس ملتان کے فارغ التحصیل ہیں، مدرسہ اشرف العلوم میں مدرس کی حیثیت سے پڑھاتے بھی ہیں۔

آپؒ کو حضرتؒ نے ۱۹۷۶ء میں خلافت کی دستار پہناتے ہوئے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا تکمیل تو آپ نیک لوگوں کی دعاؤں سے ہوگی، اگر آپ نے میرے بچے کے لئے دعا نہ کی تو پھر میری بدقسمتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ موصوف کو حضرتؒ کا صحیح جانشین بنائے۔

صاحبزادیاں:

حضرت والاؒ کی کل چھ صاحبزادیاں تھیں، سب کو قرآن حکیم، ابتدائی دینی کتب اور ترجمہ قرآن پڑھایا، سب بچیاں، بچیوں کو قرآن پڑھاتی ہیں اور خدمت دین میں مصروف ہیں۔

پہنچانا اور جس سے دنیوی تراث ہو، اس دن اس کو معاف کرنا اور کرانا، جس کو عرف عام میں بخشوانا کہا جاتا ہے، اس کو ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

۸... درس و تدریس، خصوصاً حدیث شریف کی تدریس میں سختی تمام کریں۔

۹... اپنی جائیداد فروخت کرنے کی اگر تعلیم دینی پڑے تو دریغ نہ کریں، سب رقمیں ہوتی جائیں گی۔

۱۰... اخلاص کا اہتمام کریں کہ اخلاص ہر کام میں ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرماویں۔

۱۱... بڑوں کی عزت و حرمت کو ضروری سمجھیں۔

۱۲... مدرسہ شرف العلوم، دائمی شوریٰ کے ماتحت ہو گیا ہے۔

۱۳... اراکین کی عزت کریں، ان کے مشورے پر چلنے کی سعی و کوشش کریں، اپنی رائے کو مستقل نہ کریں، بندہ نے اپنے بچوں کو حتی الوسع دینی کام میں لگایا ہے، دین کا علم پڑھایا ہے، نہ انگریزی تعلیم دی ہے اور نہ کسی کسب معاش، مثلاً طب وغیرہ تحصیلات میں توجہ دی ہے، نہ لوگوں کی ملازمت کی اور کرائی ہے، بلکہ اپنی وسعت کے مطابق ان کی ہر اعتبار سے خدمت کی ہے، ان کے خوش رکھنے کی سعی کی ہے۔ اپنے خیال میں یہ اس لئے کیا ہے کہ یہ علم پڑھائیں، دین کی خدمت کریں، ان کی روزی کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ سب بحمد اللہ پڑھ پڑھا رہے ہیں، اب بھی ان کو یہی وصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی دین کی تعلیم و تعلم اور قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف میں ہی بسر کریں، روزی کا غم نہ کریں، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وما من دآبة في الأرض إلا على الله رزقها"

(ہود: ۶)

میں سے بیشتر اس دنیا سے جاچکے ہیں، اور چند ایک بقید حیات ہیں۔ خلافت شیخ کی طرف سے اعتبار کی ایک سند ہوتی ہے۔ اگر عند اللہ وہ شخص مقبول ہو تو چاہے اس کا نام فہرست میں درج نہ بھی ہو اس کے مرتبے و مقام میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اور اگر خدانخواستہ کسی کو اپنے شیخ سے خلافت و اجازت نہیں، تو چاہے لاکھ بار اس کا نام شائع ہو اس سے اس کا عند اللہ وجہ بڑھ نہیں جائے گا۔ اس لئے اگر کسی کا نام رہ جائے تو اسے خدام کی نا علمی سمجھا جائے۔

اسمائے گرامی خلفائے کرام:

ہمارے ناقص علم کے مطابق، وہ خلفائے کرام جو اس وقت حیات ہیں، درج ذیل ہیں:

۱... صاحبزادہ حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ حضرت جلالی شجاع آباد۔

۲... حضرت حاجی محمد حسین صاحب، ٹکر سے والے شجاع آباد۔

۳... حضرت مولانا عبدالکریم صاحب، ردوڈ سلطان جھنگ۔

۴... حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، الخادم ہزاری۔

۵... حضرت صوفی عبدالرحمن صاحب، سرگودھا۔

۶... حضرت سید بھورن شاہ صاحب بخاری کھوکھر شجاع آباد۔

۷... حضرت احسان الحق صاحب، بودلہ شجاع آباد۔

۸... حضرت مولانا محمد ... صاحب، ملتان۔

نوٹ:... مولانا موصوف کا نام حضرت کے خلفاء میں اس لئے شامل کیا گیا کہ تجلیہ جلالی اور انوار جلالیہ میں حضرت کے خلفاء میں درج تھا، اس سلسلے میں کچھ

حضرات نے کچھ تحفظات کا اظہار کیا، تو راقم نے براہ راست ان سے بھی اس سلسلے میں بات کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نے ان کو تلقین ذکر کی اجازت دی تھی، اور صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالحی قدس سرہ نے اُسے ایک گونہ خلافت کا نام دے کر اور حضرت کی طرف سے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اس لئے کم از کم باجازت خانقاہ کے درجہ میں اجازت حاصل ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ خلفاء شام اور بنگلہ دیش میں بھی ہیں۔ افسوس کہ ان کے نام معلوم نہ ہوسکے، اسی طرح بہت ممکن ہے کہ ہند و پاک کے بعض حضرات کے نام بھی ہمیں معلوم نہ ہوں۔

وہ خلفائے کرام جو اس دُنیا سے رحلت فرماگئے۔

* صاحبزادہ حضرت اقدس مولانا عبدالحی شجاع آباد قدس سرہ۔
* حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل جلال پوری قدس سرہ۔
* ولی کامل شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا علی المرتضی صاحب کمرانی شریف زیدہ غازی خان۔

موخر الذکر حضرت بہلوی نور اللہ مرقدہ کے پیر بھائی تھے، آپ کو حضرت مولانا فضل علی قریشی شاہ صاحبؒ سے بھی خلافت حاصل تھی، بعد میں آپ نے حضرت بہلوی نور اللہ مرقدہ کی طرف رجوع فرمایا، تو حضرت بہلویؒ نے بھی آپ کو بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

* حضرت اقدس جام شوق محمد قدس سرہ شوق آباد، جلال پور پیروالا۔
* حضرت قاری شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، پدعیدان۔
* حضرت مولانا غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ، منسے والے۔
* حضرت حافظ دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ، روڈو سلطان جھنگ۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
گرچہ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے!

آپ فرماتے تھے اللہ والے دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، اپنا خلا چھوڑ کر نہیں جاتے، جو کچھ حاصل کرنا ہے کرلو، پھر افسوس کرو گے

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے:

آپ پر زندگی کے آخری ایام میں کئی امراض کا حملہ ہوا، یوں تو حضرتؒ کو شوگر کے مرض نے بڑی نڈھال کر دیا تھا، لیکن آخر میں تو گردے بھی جواب دے گئے تھے۔ بالآخر وہ دن بھی آگیا جس دن ہر شخص کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رخصت ہونا ہے۔ مرض الوفات سے چند دن پیشتر آواز بھی تقریباً بند ہوگئی تھی اور غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، جب حضرتؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگی تو زمزم چلایا گیا، جس سے قلب اصبر سے اللہ، اللہ کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ وفات کے بعد آپؒ کے چہرۂ انور پر انوار کی ایک خاص کیفیت تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپؒ لقاء محبوب کے اشتیاق میں مسکرا رہے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

۲۲ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۷۸ء سوا نو بجے رات کو جان جان آفریں کے سپرد فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح کی نماز کے بعد چاروں اطراف حضرتؒ کے آخری دیدار کے لئے پہنچ گئے تھے، پنجاب کے اکثر مدارس عربیہ میں عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ میدان کا بھی

العلوم جہانیاں، دارالعلوم کبیر والا، قاسم العلوم ملتان، مدرسہ خیر المدارس ملتان، عیدگاہ احیاء العلوم مظفرگڑھ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے تمام علماء و مدرسین آ گئے۔ غسل و کفن دے کر جنازہ مہمان خانے میں رکھا گیا تو حضرتؒ کے آخری دیدار کے وقت لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور پروانوں کی ایک لمبی قطار تھی۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے حضرتؒ کے جنازے میں ہزاروں علماء، صوفیاء، متعلقین و معتقدین کی موجودگی میں تقریر فرمائی، اور حضرتؒ کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد لیا، وہ منظر قابل دید تھا، جب آپؒ فرما رہے تھے کہ مجھے حضرت شیخ بنوریؒ کی وفات کے بعد یہ دوسرا بڑا شدید صدمہ ہوا ہے۔ جنازہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک بڑے میدان میں پڑھایا گیا، حضرت درخواستی نے خود جنازہ پڑھایا، قریباً چالیس ہزار عشاق نے جنازے میں شرکت کی۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے: ایک کفن چور کفن چوری کرنے کے لئے ایک عورت کی قبر میں داخل ہوا، قبر سے اس عورت کی آواز آئی۔ "تعجب ہے! بخشا ہوا بخشے ہوئے کے کفن کی چوری کر رہا ہے۔" کفن چور ڈر گیا، اور پوچھا یہ ماجرا کیا ہے؟ میں تو گناہگار ہوں، قبر سے آواز آئی: "جب میرا جنازہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خاص مہربانی کرتے ہوئے میرا جنازہ پڑھنے والوں کو بخش دیا، تم بھی جنازے میں شامل تھے۔" اس پر کفن چور [illegible] آئندہ سے اس گناونی حرکت سے توبہ کرلی۔

شجاع آباد کی تاریخ میں آپؒ کے جنازے سے بڑھ کر کوئی جنازہ نہیں دیکھا گیا:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسی دن مغرب کے قریب جامع مسجد مدرسہ اشرف العلوم کی بائیں جانب اکابر کی اس مقدس امانت کو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا، اور:

اک آسرا تھا دید کا باقی، سو مٹ گیا!

مکتوبات:

اب آخر میں حضرت اقدس قدس سرہ کے چند اصلاحی مکتوبات درج کئے جاتے ہیں، جن کے مطالعے سے جہاں تصوف اور سلوک و احسان کے بہت سے عقدے حل ہوں گے، وہاں حضرتؒ کے انداز تربیت کا بھی اندازہ ہوگا۔ یہ تمام مکتوبات ایک ہی شخصیت حضرت اقدس جناب قاری شیر محمدؒ ساکن پڑھیدن کے نام ہیں، جو حضرت اقدس کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ کسی مکتوب میں تو حضرت قاری صاحبؒ کا سوالیہ مکتوب بھی ہمراہ ہے، جسے "حال" کا عنوان دے کر حضرتؒ کے جواب کو "ارشاد" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور کہیں حضرت قاری صاحبؒ کا مکتوب ساتھ نہیں تھا، اس لئے وہاں صرف حضرتؒ کا جواب ہی درج کر دیا گیا ہے۔ حضرتؒ کے جواب سے حضرت قاری صاحبؒ کے مکتوب کا حاصل بھی سمجھ آجاتا ہے۔ یہ تمام مکاتیب راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں اور برادرم مولانا محمد عابد مدظلہ نے ان کو الگ پچاس مکتوبات کے عنوان سے ایک رسالے کی شکل میں بھی شائع کر دیا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء!

۱:۔ السلام علیکم! محبت نامہ ملا، حال معلوم ہوا، عیوب نفس کی تقریر بعد مغرب والی آپ کو گراں نظر آئی۔ بھائی! تصفیہ نعمت ہے، استغراق، انوار، سکر، صحو وغیرہ یہ نعمتیں ہیں، مگر مقاصد اصلی اور ہیں، وہ تزکیہ ہے، جس کو قرآن مجید:

کرنے کا کب حوصلہ ہوگا؟ شیرینی ہر کسی چاہتا ہے، مگر تلخ دوا پینا دشوار ہے۔ قرب مرشد اور بُعد میں ہزار ہا فرق ہے۔ آنکھ بچہ میں نور اور کان میں شنوائی زبان میں گفتار اور دماغ میں قوت و عقل اور بدن میں صحت اگرچہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، مگر واسطہ ماں کا دودھ ہے۔ اسی طور کمالات و تزکیہ اور عیوب بینی و تحصیل اخلاق حمیدہ عطاء اللہ تعالیٰ کی ہے، مگر واسطہ شیخ و مرشد ہے، اور اتباع سنت و ترک بدعت ہے۔ جتنی شیخ سے محبت زائد، اسی قدر فیض زائد، اگرچہ دُور ہووے، اور جس قدر محبت کم اتنی ہی فیض کم، اگرچہ نزدیک ہووے۔ (محبت با مرشد شش خاصیں رُوحانی کے ہے کہ (اس سے) سب میل کچیل بھی دور ہوتی ہے اور رُوحانیت کی کشش سے، رغبت، عبادت و طاعت (پیدا ہوتی ہے اور) دفع (غفلت) کسل بھی ہوتا ہے۔ خطوط لکھا کریں اور جواب کو چند بار بڑے تامل (غور) سے پڑھ کر عمل کیا کریں۔ ذکر کی محویت اور دعا آتا اور بازار میں بھی ذکر و فکر رہنا مبارک درجہ ہے، اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرماوے، آمین! مراقبہ جماعتی کیا کریں، احباب کو سلام۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

از بجلی ۲۶ صفر ۱۳۵۵ھ

۳۳..... مکرم و عزیز سلامت باشید، السلام علیکم! محبت نامہ ملا، حال معلوم ہوا، محبت شیخ و مرشد، سعادت کی کلید ہے۔ اسی طور فرمایا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ہمارا کام زیادہ تزکیہ کا ہے، تصفیہ کا کم ہے، اسی لئے ہم سے محبت کم ہوتی ہے۔ ہاں! جس کو تزکیہ کی شان ملحوظ ہے، اس کو محبت غالب ہو جاتی ہے۔ نیز یہ ہیچ بوچھ تو بندہ اس لائق بھی نہیں۔ امراض (نفس) کثرت ذکر سے مستور ہو جاتے ہیں، پھر وقت پر ظاہر ہو جاتے ہیں (اور یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہئے کہ) تزکیہ اصل ہے اور تصفیہ (بھی) کو نعمت ہے، مگر (تزکیہ سے تو) ہزار درجے کم ہے۔ آپ ہمت کریں، اپنا

کام، ذکر، مراقبہ، تلقین، تبلیغ، مراقبہ جماعتی، احباب کو بلا کر، یا جا کر ضرور کریں۔ اور جو کچھ ریا و نمود کے خیال آویں ان پر استغفار کریں اور کام نہ چھوڑیں، ریا ایک دن اخلاص ہو جاوے گا، انشاء اللہ۔ اور خط ایک مہینے کا جلدی جلدی لکھا کریں۔ اپنے کان اپنے دل پر رکھیں۔ جنگل، پہاڑ میں نکل جانا رہبانیت ہے، یہ اسلام میں پسندیدہ نہیں، اسلام میں (تو پسندیدہ یہ ہے کہ) مجلس میں یکتائی ہووے، جلوت میں خلوت ہووے۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۲۸... حال: حضرت! جس وقت آپ زبان مبارک سے سبق تلقین فرماتے ہیں، دل و دماغ میں حیرت ہو جاتا ہے، دن رات اسی سبق پر خیال رہتا ہے، رات کو نیند نہیں آتی، بہت کم آتی ہے، لیکن نوافل پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، مگر نیند نہ آنے سے جو دماغ میں کوفت ہوتی ہے وہ نہیں، احسانات پر نظر رہتی ہے، عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ (کبھی کبھی بے خود ہو کر) چلتے چلتے مٹی اور گرد و غبار پر سجدہ کرتا ہوں، لیکن اتنا ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے، ریا نہ ہو جائے، سجدے کے بعد کچھ تسکین ہو جاتی ہے، بے ساختہ ایسے الفاظ نکلتے ہیں۔ میرے پیارے، میرے محبوب! قربان جاؤں، پھر خیال آتا ہے میری کیا چیز ہے جو قربان کروں؟ پھر اپنی کوتاہیوں پر نظر جاتی ہے تو ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے.....''

ارشاد: بھائی مکرم، سلامت باشید، السلام علیکم!

عاشقاں را تعیب از معشوق

جز خرابی و جاں گدازی نیست

گریستن، گریستن، خندیدن، حیران شدن، و منتظر شدن، عاشقوں کا کام

ہے، اپنے خط کے لفظوں پر (جن پر لکیر کھینچ دی گئی ہے)، سو سمجھ لیں کہ کیا ہی رحمت و نعمت کے عجیب حالات ہیں، یہ وہ انوار ہیں کہ کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں۔ اگر عیوب بینی بھی ساتھ مل جاوے اور عیوب بینی کے سبب اپنے ہوش و حواس (کے تمام حالات مثلاً:) کاروبار، گفتار، آمد و رفت میں سے (احوال و کیفیات) پر سے نظر اٹھ جاوے (تو پھر یہ) کیا ہی عجیب ہے۔

هر که او بر عیب خود بینا شود
روح اورا قوتے پیدا شود
پڑی اپنے گناہوں پر جب نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اسی کا نام تزکیہ ہے، خوب سمجھ لے۔ اپنی اغلاط پر نظر، پھر اس کی تشخیص، پھر اس کا علاج (جیسے مرشد فرما دیں، کرے)، پھر تقاضا اس کا نام سلوک ہے۔

عبید اللہ عفی عنہ

ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

۵:... السلام علیکم! کارڈ جوابی میں تحریر کر چکا ہوں کہ اصل مقصود سلوک (کا یہ ہے کہ) حق تعالیٰ کی محبت صحیح، دائمی، کامل نصیب ہو جاوے۔ مرشد کی بیعت، مراقبہ، ذکر، سب اسی کا وسیلہ و سبب ہیں۔ آپ کو اب اللہ تعالیٰ کی محبت غالب نصیب ہونے لگی ہے، خدا تعالیٰ کرے کہ غالب و کامل و دائم ہو جاوے، اور ہمیں بھی نصیب فرماوے، آمین! (آپ اس نعمت کے حاصل ہونے پر) شکر کریں، شکر کریں، شکر کریں، اس سے دولتی ملنے لگے گی۔ "اسلمت لرب العلمین" اور "والذین امنوا اشد حبا للہ" کا پتہ پڑنے لگا، پھر مرشد سے محبت، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی، بلکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت مطہرہ سے (محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی)

اور پھر مخلوق سے محبت یا عداوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی، الخ۔ اللہ تعالیٰ۔ رب تعالیٰ اپنی حقیقی تعریف و ثنا خود فرماوے یا پھر اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، ہم لوگ کیا کرسکیں؟

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۶: حال: حضرت! ذکر و عبادت میں لذت نہیں آتی، حصولِ معاش کا فکر اس لئے دامن گیر رہتا ہے کہ بیوی، بچوں کے بھی آخر حقوق ہیں، علاج تجویز فرمائیں، نیز میرے لئے کون سی کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا؟

ارشاد: والسلام علیکم! محبت نامہ آیا، حال معلوم ہوا۔ لذت آوے یا نہ آوے ہمت کریں، خود ذکر میں کوشش کریں اور کرائیں، عبادت غلامی کا نام ہے، لذت کا ہونا اس میں ضروری نہیں۔ اسی طرح ذکر (کے حال) کو سمجھو لو، ہر کس اپنے پرائے کو رب تعالیٰ کی محبت و ذکر کی تبلیغ کرو، اس میں وقت دو، معاش کو رب تعالیٰ کے سپرد کرو، کتب مطالعہ کے لئے اپنے مرشد کی کافی ہیں اور (کتب) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور (مطالعہ) مکتوبات امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہ کا بس (آپ کے لئے کافی ہے)، احباب کو سلام و عرضِ دعا۔ والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۷:...مکرم عزیز، سلامت باشید، السلام علیکم!

بے شک درست ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی موت و حیات اور نفع و ضرر کا مالک نہیں ہے، جب کسی کو اللہ تعالیٰ نفع دینا چاہتا ہے تو (مخلوق میں سے) کسی کے ہاتھوں سے دلاتا ہے، ظاہر میں یہ دو (سبب) فائدہ و نقصان دے رہا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے بس۔..... بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کچھ نہ کچھ (اختیار

دی طاقت بخشی ہے، جس سے وہ اپنا فائدہ و نقصان اور طاعت و معصیت کرتے ہیں اور جزا و سزا کے مستحق ہوتے ہیں، پھر بعض کام وہ ہیں جن کا انسان کو اختیار ہے، جیسے لوہار، مستری، درزی وغیرہ کو ہے، اور بعض وہ ہیں جن کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جیسے بچہ دینا یا شفا بخشنا، مارنا، جلانا، عزت و ذلت بخشنا، پیدا کرنا وغیرہ۔ یہ سب کام مافوق الاسباب ہیں، اور ان میں انسان مجبور ہے، اور ماتحت الاسباب میں انسان کسی قدر مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ مافوق الاسباب میں فرماتا ہے کہ کسی کے اختیار میں نہیں، اور ماتحت الاسباب میں فرماتا ہے: "تعاونوا علی البر والتقوی" ایک دوسرے کی اچھے کام میں مدد کرو، برے کام میں نہ کرو، اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو تکالیف دینا جرم کی سزا نہیں، (بلکہ درجات بلند کرنے کے لئے ہے)، اور ہم جیسوں کو سختی ہمت کی بلندی کا دیا جاتا ہے، جب تشریف لاؤ گے تو تفصیل سے سمجھاؤں گا، جناب کو بعد سلام عرض ہے دعا۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

٨... حال: الحمدللہ! تحریر بھی تجربہ سے ہے، جناب کی خیریت معلوم ہونے سے از حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے، آمین۔ حضرت! میرے لئے ایمان کامل اور محبت شدیدہ کی دعا کریں، فقیری کی نے دی ہے، اب ملنے کی امید ہے، بے تکلف لکھا ہوں۔

ارشاد: مکرم قادری صاحب! سلامت باشید، السلام علیکم!

آپ نے غلطی سے فقیری کا مطلب سمجھا نہیں، فقیری "فنا فی اللہ" کا اور "بقا باللہ" کا نام ہے۔ کیا اس کے آثار آپ پر نمودار نہیں ہیں؟ نعمت، شکر سے زیادہ ہوا کرتی ہے، یہ تو شکر کی ہے، خبردار باش!... بال بچوں و احباب کو سلام و تاکید ذکر،

میں انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ حاصل ہوا اور اتنا فائدہ ہوا، اب اس درجے پہ ہوں، توجہ دی، لوگ لوٹ پوٹ ہوئے، ہائے ہو مچ گئی، جماعت دگنی ہوگئی، شہرت کافی ہوئی، مرید زیادہ ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان دولتوں کے بجائے تزکیہ کی چیزیں رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، اپنے عیب نظر آنے لگے۔ پہلے ہستی وخودی تھی، اب پستی وناکسی و ناقصی کی جھلک پڑی، عبادت بھی ناقص نظر آئی، گناہ (کی قباحت) دل ودماغ کے سامنے ہے، پہلے دعویٰ تھا کہ میں یہ ہوں، وہ ہوں، اب دعویٰ ٹوٹنے لگا:

نہ تھی اپنے گناہوں کی جب تک خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پر جب سے نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا!

بس اپنے آپ کو "کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ" دیکھنے لگا، یہ وہ نقد ہے کہ اگر اپنی حقیقت پر ہے تو حقیقت کے سمندر کا موتی ہے، بیش قیمت ہے، آپ اس کی قیمت کیسے ادا کر سکیں۔ (چونکہ اس طرف توجہ نہیں) اس لئے تو اپنے پر اور مرشد پر ناراض ہیں کہ کچھ نہیں ہوا۔ بے شک اگر صحیح طور پر ایسے الفاظ (جو خط میں اپنی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھے ہیں) اصلیت پر ہوئے تو شاید اصل کمال (عبدیت) سے ..... "مشت نمونہ خروار" آجاوے۔ احباب کو سلام۔

والسلام

عبداللہ

۱۸ر ستمبر ۱۹۵۹ء

۱۱:... مکرم ومحترم المقام عزیز قاری شیر محمد صاحب، سلامت باشید۔

السلام علیکم! محبت نامہ، دردنامہ، خیریت نامہ نے تحقیق کر مافیہا سے آگاہی

بخشی، بھائی! ایک حال ایسا سالک پر آتا ہے کہ اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھنے لگتا ہے۔ اسی (حالت کے بیان) پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک سالک (بوجہ عظمت الٰہی کے) اپنے آپ کو فرنگ کافر سے بدتر نہ سمجھے گا (اس پر معرفت حرام ہے، حتیٰ) کوچۂ تصوف تک نہیں پہنچ سکتا۔ (سالک پر جب یہ حال آتا ہے تو) اس وقت اپنے آپ کو (حالاً) سب چیز سے برا سمجھتا ہے۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے سنا کہ کسی کو گدھا کہہ رہا ہے، فرمانے لگے: دنیا میں تو گدھا میں ہی تھا، شاید کوئی اور بھی ہوگا۔ اس وقت ان پر اپنی عدمیت (نیستی) کی جھلک وارد ہوا کرتی ہے۔ (واضح رہے کہ) انسان کی عدمیت اصلی اور ذاتی ہے، اور وجود وخیر (جو ہے وہ) محض عطا ہے، پس (جب سالک پر یہ حقیقت وارد ہوتی ہے تو اس وقت وہ) اپنے آپ کو شر ہی شر سمجھنے لگتا ہے، اس وقت جو چیز (نعمت) اس کو جسمانی یا روحانی مل رہی ہوتی ہے مثلاً کھانا، پینا، نماز پڑھنا، شکل انسانی کا نہ بدلنا، لوگوں میں بدنام نہ ہونا، خوار نہ ہونا، عیب پر پردہ پڑنا وغیرہ وغیرہ، سب کو محض فضل اللہ تعالیٰ کا سمجھتا ہے، اور تعجب کرتا ہے کہ کیا ہی فضل والا، کرم والا ہے اور ستار ہے کہ مجھ جیسے کو دنیا میں نہ زمین میں دھنساتا ہے، نہ پتھر برسا کر ختم کرتا ہے، نہ بدنام کرتا ہے، مجھ جیسے کو مسجد میں نماز بھی پڑھوا دیتا ہے، ایمان بھی نہیں چھینتا، نہ ذکر چھین لیتا ہے وغیرہ ذالک۔ اگر آپ پر یہی حالت ہے تو شاید وہی (انکشاف عدمیت کا) اثر نمودار ہونے لگا ہو، گھبراتے کیوں ہیں؟

مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اس (حالت کے آثار) سے انانیت، استحقاق انعام کا دعویٰ، کسی کی تعریف پر اترانا، لوگوں سے کسی چیز کا طالب ہونا، خواہش مند ہونا وغیرہ وغیرہ (سب) ختم ہوجاتا ہے۔ (کیفیت یہ ہوتی ہے کہ) اگر کسی کو ذرا سا بھی فائدہ ہو گیا (تو

اس کو) اپنے سے نہیں سمجھتا، اور (اگر) فائدہ نہ ہوا تو غم نہیں کرتا (اور سمجھتا ہے کہ اللہ پاک کو یونہی منظور تھا، نیز ہر وقت) حیرت میں رہتا ہے اور فضل و ستاری پر تعجب کرتا ہے۔ یقین رب تعالیٰ پر بڑھ جاتا ہے کہ غریب نوازی اور ایسی غریب نوازی، سبحان اللہ! (اس جملہ کا لطف اہل ذوق سے پوچھیں) موصل کریں۔ احباب کو بعد سلام عرض دعا۔ اصل خط اور جواب دونوں محفوظ ہو جاویں تو بہتر ہے۔ والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۱۳:۔ مکرم و محترم خلیفہ قاری شیر محمد صاحب و تمام احباب کرام، سلامت باشید۔

السلام علیکم! احباب سے شرف رخصت لے کر (بحری جہاز میں) سوار ہوا جگہ بفضلہ تعالیٰ اچھی مل گئی تھی، تمام جہاز اس سال بے مثال رہا کہ کسی کو ایسا چکر نہ آیا کہ جس سے بے خود ہو جاوے، کسی کو ایک دن، کسی کو دو دن رہا، بندہ کو ایک دو دن رہا، وہ بھی کم درجے کا، یہ سب آپ لوگوں کی دعا ہے، ورنہ میرے بڑے گناہ ہیں۔ سبحان اللہ! ایسے غلط کار کو حاضری میں بلاتا ہے، ایسے بدکار سے لبیک کہلائی جارہی ہے:

اجازت ہو تو آکر میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں
سنا ہے کل ترے در پہ ہجوم عاشقاں ہوگا
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی!

مکہ مکرمہ حاضری کے بعد پھر عریضہ لکھا جاوے گا، ان شاء اللہ، تمام احباب کو در گھر والی و بچہ اعمال اللہ تعالیٰ عمرہ کو اور جنات کو بعد سلام عرض دعا۔ مراقبہ جماعتی

ہمیشہ کیا کریں، ہمت روز افزوں ہووے اور تبلیغ میں وقت دیا جاوے، والسلام!

عبداللہ عفی عنہ
از جیوم شریف
۲۹ اپریل ۱۹۶۱ء

۱۳:... حال: حضرت اقدس! اہلیہ سلام عرض کرتی ہے اور کہتی ہے ایک ماہ کے لئے آپ کے لنگر کی روٹی کھانا چاہتی ہوں، اگر یہ شرف بخش دیں تو زہے قسمت، بندہ بھی حاضر ہوگا، جیسے حکم ہو ارشاد فرمادیں، آپ کو تکلیف نہ ہو۔

ارشاد: عزیز محترم قاری صاحب، سلامت باشید السلام علیکم!

بھائی! مرشد کی خدمت میں چند دن رہنے کے لئے شرطیں ہیں:

۱:... رہنے والے کو مرشد سے کام ہووے۔ بس (ایک اللہ ہی کا) دھیان ہووے، انتظار فیض ہووے، فارغ وقت میں مجاہدہ ہو، مراقبہ ہووے۔ خدمت ہو، ادب ہو، غیر سے الگ ہوکر ایک کا ہو جاوے، نہ کسی کی تعریف، نہ شکایت، نہ گلہ، نہ عیب جوئی، نہ عیب شنوی اور نہ "اشتغال غیر" ہووے۔

۲:... مرشد کے گھر، بال بچوں کے (مزاج کے خلاف) الفاظ اور بے قدری اور بے توجہی اس کے لئے حجاب نہ بنے، اور بے تعلقی کا موجب نہ ہووے۔

۳:... ساگ، دال پر اکتفا اور جھڑک کو نعمت اور زمین پر سونا احسان خداوندی جانے کہ مجھے توفیق دے دی، وغیرہ ذالک۔ والسلام

۴:... جو سائیں دیوے تڑپ تپش ہو یا سکون و اطمینان، جو دیوے اس کی مہربانی ہے، اس کی مہربانی ہے، سالک بہر حال راضی برضا نے یار رہے کیا، ہمت

حمیدہ (جیسے) حسد و کبر اور شکر و اخلاص وغیرہ کا پتا تک نہ تھا، مستی ہی مستی تھی، وہ بھی دماغ میں ابخرہ و ذکر کا چڑھا ہوا تھا (گویا کہ) جنگلوں اور پہاڑوں میں سرگردانی تھی، کچھ تصفیہ تھا، تزکیہ کا نام بھی نہ تھا، لذت تھی، وہ بھی جسمانی حظوظ سے بھری ہوئی، روحانیت کم تھی، اب: ۱: تزکیہ ہے، ۲: روحانیت ہے، ۳: عیوب بینی ہے، ۴: خودی کی کمی ہے، ۵: ہزار (ذکر و) مراقبہ (کے باوجود بھی) اپنے نفس (یعنی ذات) اور عبادت و کمال پر نظر نہیں، ۶: لذت کی خواہش نہیں، ۷: انوار کی طلب نہیں، ۸: اخلاص کی طلب ہے، ۹: اخلاقِ رذیلہ کے دفعیہ کی فکر ہے، ۱۰: اور تکمیل کمالات کا تقاضا ہے، کیا خودی و نفسانیت کا ختم ہونا، اپنے حالات پر (اصلاح کے لئے) نظر ہونا، محض اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا اضطراب و قلق ہونا، آپ کی نظر و خیال میں کم درجہ ہے؟ جوش کریں اور شکر کریں اور اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائیں، ہر وقت طلب مزید کریں۔ ایسے حالات (نصیب ہونے) سے اللہ تعالیٰ سے تمام محبت بڑھے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت بڑھے، اور پھر شریعت سے ۱: محبت، ۲: اعتقاد و عمل بڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقلید سے تحقیق عطا فرمائے، آمین!

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

اشاعت التوحید
حصہ اول
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

یہ مختصر رسالہ بچوں کے پڑھنے پڑھانے کے لئے ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا، چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں اپنی استعداد کے مطابق اور بڑے اپنی سمجھ کے مطابق فائدہ لیں گے، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

سوال:... تم کو کس نے پیدا کیا؟

جواب:... ہمیں، ہمارے ماں باپ، آسمانوں، زمینوں اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

سوال:... ہم سب مخلوق کو پیدا کرکے زندگی میں کھانے، پینے اور جینے رہنے کے سامان کون دیتا ہے؟

جواب:... جینے رہنے کے یہ سب سامان، کھانا، پینا، کپڑے، دولت، غربت، بیماری، شفاء اور سب کچھ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

سوال:... ہم مر کر کہاں جاتے ہیں؟

جواب:... اللہ تعالیٰ کے ہاں جاتے ہیں، جس کو "عالمِ برزخ" کہتے ہیں، اور "عالمِ قبر" بھی کہتے ہیں۔

سوال:... جب ہماری ابتداء، بقا اور انتہا اللہ تعالیٰ سے ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کو کس طور مانیں اور کیا اعتقاد رکھیں؟

جواب:... یہ اعتقاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ ایک ہے، خدا تعالیٰ ہی عبادت و بندگی کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ ہر بات کو جانتا ہے، کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں، بڑی طاقت و قدرت والا ہے، اُسی نے زمین، آسمان، سورج، چاند، فرشتے، آدمی، جن، غرضیکہ سب چیز کو پیدا کیا ہے، وہی تمام جہان کا مالک ہے، وہی مارتا اور جِلاتا ہے، یعنی مخلوق کی زندگی اور موت اُسی کے حکم سے ہوتی ہے، وہی تمام مخلوق کو روزی دیتا ہے، وہ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ سوتا ہے، وہ خود بخود ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اُس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، نہ اُس کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ بیوی، اُس کا کسی سے رشتہ ناتا نہیں، وہ ان تمام تعلقات سے پاک ہے، سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اُس کو کسی چیز کی حاجت نہیں، وہ بے مثل ہے، کوئی چیز اُس کے مشابہ نہیں (یعنی اُس جیسی نہیں)، وہ تمام عیوب سے پاک ہے، وہ مخلوق جیسے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور شکل، صورت سے پاک ہے، اُس نے فرشتوں کو پیدا کرکے دُنیا کے انتظامات اور خاص خاص کاموں پر مقرر فرمایا ہے، اُس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں کہ لوگوں کو سچا مذہب و طریقہ سکھلائیں، اور بُری باتوں سے بچائیں۔

سوال:... پیغمبر کون تھے؟

جواب:... پیغمبر اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں اپنے بندوں تک احکام پہنچانے کے لئے مقرر فرماتا ہے، وہ سچے ہوتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے، گناہ نہیں کرتے، خدا تعالیٰ کا پیغام پورا پورا پہنچاتے ہیں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتے، نہ کسی پیغام کو چھپاتے ہیں، ان پیغمبروں کو رسول و نبی بھی کہتے

ہیں، اور ان پر نازل شدہ فرامین خداوندی کو صحیفے، کتابیں اور قرآن کہتے ہیں۔

سوال:... کیا ہر شخص پیغمبر اور رسول بن سکتا ہے؟

جواب:... نہیں! بلکہ جسے خدا تعالیٰ بنائے۔ وہی بنتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی اور رسول بننے میں آدمی کی کوشش اور ارادے کو دخل نہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔

سوال:... حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر آئے گا یا نہیں؟

جواب:... نہیں! کیونکہ پیغمبری اور نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، آپ کے بعد جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے!

سوال:... پیغمبر اور رسول سب سے پہلے کس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں؟

جواب:... سب سے پہلے توحید، رسالت اور قیامت کی تبلیغ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ، جمالیہ، انعامات، احسانات الٰہیہ اور نہ ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے قہر کا بیان فرماتے ہیں، پھر رسالت و قیامت کے متعلق بیان فرماتے ہیں، ان کو اصول دین کی تبلیغ کہتے ہیں۔

سوال:... توحید کے کیا معنی ہیں؟

جواب:... دل سے اللہ کو ایک یعنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھنے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

سوال:... خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کا علم مخلوق کو کیسے ہوا؟

جواب:... اوّل تو انسانی عقل، بشرطیکہ صحیح ہو، خدا تعالیٰ کے موجود ہونے اور اس کے ایک ہونے کا یقین رکھتی ہے، اسی وجہ سے دنیا میں جو بڑے

۱...کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت کے مطلب کو دل سے ماننا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔

۲...نماز پڑھنا۔

۳...زکوٰۃ دینا۔

۴...رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

۵...حج کرنا۔

سوال:...کلمہ طیبہ کیا ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:...کلمہ طیبہ یہ ہے: "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

سوال:...کیا معنی اور مطلب سمجھے بغیر صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے؟

جواب:...کلمہ کے معنی سمجھ کر دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے، اور دل سے یقین کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کو "ایمان" کہتے ہیں۔

(اسی طرح تعلیم الاسلام میں ہے)

سوال:...کیا "ایمان" کلمہ طیبہ کے معنی کا یقین کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے؟ یا ایمان کے لئے کچھ دوسری چیزوں کا ماننا اور اقرار کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب:..."ایمان" اسے کہتے ہیں کہ آدمی خدا تعالیٰ، اس کی تمام صفات، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، قیامت، مرنے کے بعد جی اٹھنے اور [illegible] کی دل سے تصدیق کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے، اور یہ بھی کہ

اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور جو باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ان سب کو سچ سمجھے اور زبان سے ان تمام باتوں کا اقرار کرے، یہی تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار ایمان کی حقیقت ہے، لیکن زبان سے اقرار کسی ضرورت یا مجبوری کے وقت ساقط ہو جاتا ہے، جیسے گونگے آدمی کا ایمان زبان کے اقرار کے بغیر بھی معتبر ہے۔

سوال:... ان چیزوں میں سے اگر کسی کو نہ مانے یا مان کر زبان سے اقرار نہ کرے، تو اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب:... اُسے "کافر" کہتے ہیں، مثلاً: کوئی شخص خدا تعالیٰ کو نہ مانتے، یا خدا تعالیٰ کی صفات کا انکار کرے، یا دو، تین خدا مانے، یا فرشتوں کا انکار کرے، یا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا انکار کرے، یا کسی پیغمبر کو نہ مانے، یا تقدیر کا منکر ہو، یا قیامت کے دن کو نہ مانے، یا خدا تعالیٰ کے قطعی احکام میں سے کسی حکم کا انکار کرے، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی کسی خبر کو جھوٹا سمجھے، تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔

سوال:... جو شخص خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت، مثلاً: علم غیب یا نافع و ضار وغیرہ، کو دوسرے کے لئے بھی ثابت کرتا ہے، اسے کیا کہتے ہیں؟

جواب:... اُسے "شرک" کہتے ہیں اور دوسروں میں اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے کسی صفت کو ثابت کرنے والے کو "مشرک" کہتے ہیں، پس شرک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرے۔

سوال:... خدا تعالیٰ کی ذات میں شریک کرنے کا کیا معنی ہے؟

جواب:... ذات میں شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو، تین خدا مانے، جیسے عیسائی، جو تین خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہیں، اور وہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک

نبوت نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور آتش پرست دو خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ کے انکار سے کافر ہوئے۔ اور جیسے ہندو بہت سے خدا مان کر مشرک ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے انکار سے کافر ہوئے۔

سوال... صفات میں شریک کرنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب... خدا تعالیٰ کی صفت کی طرح کسی دوسرے کے لئے کوئی صفت ثابت کرنا شرک ہے، کیونکہ کسی مخلوق میں۔ خواہ وہ فرشتہ ہو، یا نبی، ولی، شہید، پیر، یا امام، ان میں خدا تعالیٰ کی صفت کی طرح کوئی صفت نہیں ہو سکتی۔

سوال... کیا شرک اور کفر بخشا جائے گا یا نہیں؟

جواب... زندگی میں شرک اور کفر سے توبہ کرلے، تو قبول ہو جائے گی، اور اگر کفر و شرک کی حالت میں خاتمہ ہوا، تو ہرگز ہرگز نہ بخشا جائے گا۔

سوال... کیا شرک اور کفر پیغمبروں اور ولیوں کی شفاعت سے بھی بخشش میں نہ آئے گا؟

جواب... شرک اور کفر وہ گناہ ہیں کہ ان کے لئے شفاعت اور سفارش نہیں ہوگی، کوئی پیغمبر، رسول، صدیق یا اولیاء کسی کافر، مشرک کے لئے گناہ سے بخشے اور دوزخ سے نکلنے کے لئے شفاعت نہ کریں گے، اور بالکل نہ کریں گے۔

سوال... کیا دوسرے گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت کریں گے؟ اور شفاعت سے معافی مل جائے گی؟

جواب... ہاں! اگر گناہ ہیں وہ، مگر شرک و کفر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ بغیر سزا دیئے بخشنا چاہے، تو اپنی رحمت اور شفاعت سے بخش دے، تو اس کی مہربانی سے سب کچھ ہو سکتا ہے، یا گناہ پر گرفت کرے تو اس کی مرضی۔

اللّٰھم اغفر لنا برحمتک

وبشفاعۃ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم

"لفظ "اللہ" خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے،
خالق، عالم، قادر، رزاق وغیرہ ہونا اس کی صفات
ہیں، اور پیدا کرنا اور سب کو روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ
کے افعال ہیں۔"

اشاعت التوحید

حصہ دوم

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

جواب:... ہاں! بہت سے افعال ایسے ہیں کہ ان میں شرک کی ملاوٹ ہے، اُن تمام کاموں سے پرہیز کرنا لازم ہے، وہ کام یہ ہیں: مثلاً نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا، پنڈت کو ہاتھ دکھانا، کسی سے فال کھلوانا، چیچک یا کسی اور بیماری کی چھوت چھات کا قائل ہونا، یعنی یہ سمجھنا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے، ہاں! اگر یہ سمجھے کہ دوسرے کو بیماری لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور یہ بیماری مرض لگ جانے کا سبب ہے، تو پھر اس میں شرک کا شائبہ نہ ہوگا، تعزیہ بنانا اور اس کو معظم بالشان بنانا، علم چڑھانا، قبروں پر چڑھاوا چڑھانا، نذر نیاز کرنا، اس اعتقاد پر کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں، ہاں! اگر بزرگوں کی روح کو ثواب پہنچائے تو درست ہے، خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے نام کی قسم کھانا، روح دار چیزوں کی تصویریں بنانا، تصویروں کی تعظیم کرنا، کسی پیر یا ولی وغیرہ کو حاضر و ناظر مشکل کشا سمجھ کر پکارنا، کسی پیر کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا، یا محرّم میں اماموں کے نام کا تعزیہ بنانا اور قبروں پر میلہ لگانا وغیرہ وغیرہ۔ (از تعلیم الاسلام حصہ دوم)

سوال:... حضور پُرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدے رکھنے چاہئیں؟

جواب:... آپ خدا تعالیٰ کے بندے اور افضل و اکمل انسان تھے۔

۲:... خدا تعالیٰ کے بعد آپ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

۳:... آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔

۴:... آپ پر خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل فرمایا۔

۵:... آپ کو شبِ معراج میں خدا تعالیٰ نے آسمانوں پر بلایا اور جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی۔

۶:... آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے بہت سے معجزے دکھلائے۔

۷:...آپ خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت اور بندگی کرتے تھے۔

۸:...آپ کے اخلاق و عادات نہایت اعلیٰ درجہ کے حمیدہ تھے۔

۹:...آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی گزشتہ اور آئندہ باتوں کا علم عطا فرمایا تھا، جس کی آپ نے اپنی اُمت کو خبر دی۔

۱۰:...آپ کو خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ شرائع کا علم عطا فرمایا تھا، لیکن آپ عالم الغیب نہیں تھے، کیونکہ عالم الغیب ہونا صرف خدا تعالیٰ کی شان اور اسی کی خاص صفت ہے۔

۱۱:...آپ خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا، ہاں، صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جو پہلے زمانے کے پیغمبر ہیں، آسمان سے اتریں گے، اور اسلامی شریعت کی پیروی کریں گے۔

۱۲:...آپ انسانوں اور جنات سب کے لئے رسول ہیں۔

۱۳:...آپ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے گنہگاروں کی شفاعت کریں گے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "شفیع المذنبین" کہتے ہیں، اور خدا تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو قبول بھی فرمائے گا۔

۱۴:...آپ نے جن باتوں کا حکم کیا ہے، ان پر عمل کرنا، اور جن سے منع کیا ہے، ان سے باز رہنا اور ان پر یقین کرنا اُمت پر ضروری ہے۔

۱۵:...آپ کے ساتھ محبت کرنا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرنا ہر اُمتی کے اوپر لازم ہے، لیکن تعظیم سے وہی تعظیم مراد ہے جو شرعی قاعدے کے مطابق ہو، اور خلافِ شرع باتوں کو تعظیم یا محبت سمجھنا نادانی ہے۔

سوال:...معصوم ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:...معصوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی

صغیرہ یا کبیرہ گناہ قصداً یا سہواً واقع نہیں ہوا، تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی ہے یا رُوحانی؟ یعنی آپ کو معراج جسم اطہر کے ساتھ جاگتے ہوئے ہوئی تھی یا نیند میں صرف رُوح کو ہوئی تھی؟

جواب:... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم مبارک کے ساتھ معراج کی رات بیداری کی حالت میں ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے، اس لئے آپ کی معراج جسمانی تھی، ہاں! اس جسمانی معراج کے علاوہ چند مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بھی معراج ہوئی ہے، وہ رُوحانی معراجیں کہلاتی ہیں، کیونکہ منام خواب کو کہتے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، ان میں غلطی اور خطا کا شبہ نہیں ہوسکتا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک معراج تو جسمانی معراج تھی اور چار یا پانچ معراجیں منامی تھیں یعنی نیند میں تھیں۔

سوال:... شفاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب:... شفاعت، سفارش کو کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار بندوں کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے سفارش کریں گے، حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضیلت عطا ہوچکی ہے، لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کے ادب سے آپ اجازت ضرور مانگیں گے، جب اجازت مل جائے گی تو شفاعت فرمائیں گے۔

اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، اولیاء اور شہداء وغیرہم بھی شفاعت کریں گے، لیکن بلا اجازت کوئی شخص بھی شفاعت نہ کرسکے گا۔

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ کیوں چلے

مگر جب ان کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی اور سب نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تو حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے بعض حضرات نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور پھر مدینہ منورہ آ گئے، اور بعض نے سیدھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اور بعض کمزور و ضعیف مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے۔

سوال:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت، اشاعت توحید سے پہلے عرب کے لوگ آپ کو کیا سمجھتے تھے؟

جواب:... اعلانِ نبوت سے پہلے تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سچا، پاک باز اور امانت دار شخص سمجھتے تھے۔ "محمد امین" کہہ کر پکارتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے نزدیک نہایت درجے کے معتبر اور سچے انسان تھے، اور تمام لوگ آپ کی بہت عزت و توقیر کرتے تھے، اور صداقت، امانت، عدالت، عفت، سخاوت، عالی ظرفی، مہمان نوازی، غریب پروری، ہمدردی اور وعدہ وفائی وغیرہ میں آپ کو عدیم المثل سمجھتے تھے، چنانچہ غیر اسلامی تواریخ بھی اس بات کی حرف بہ حرف تصدیق کرتی ہیں۔

سوال:... ایسی تکلیفیں کیوں دی گئیں؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، مشرکین سے خدا تعالیٰ کی ہستی منوانا چاہتے تھے، جس کا وہ پہلے انکار کرتے ہوں؟

جواب:... ہرگز نہیں! بلکہ تمام مشرکین عرب، خدا تعالیٰ کو آسمان اور زمین کا خالق، رازق، مدبر الامور اور صاحب قضا و قدر جانتے تھے، سورۂ یونس رکوع نمبر ۴ میں ہے:

"قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ

يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ" (یونس:۳۱)

ترجمہ:... "تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے؟ اور کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو وہ بول اٹھیں گے کہ: اللہ تعالیٰ ہے!"

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکینِ عرب، اللہ تعالیٰ کے قائل تھے اور خالق، رازق، مدبرِ اُمور اور بااختیار اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے تھے۔

سوال:... کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو غیرمشروع کام، مثلاً: شراب، جوا، بے پردگی وغیرہ سے روکتے تھے، اس لئے وہ دُشمن ہوگئے تھے؟

جواب:... نہیں! کیونکہ نواہی وغیرہ بہت عرصے کے بعد نازل ہوئے تھے، دُشمنی کی وجہ یہ بھی نہ تھی۔

سوال:... کیا کوئی جھوٹ، افترا اور بہتان حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتے تھے، جس سے دُشمن ہوکر مصائب کا طوفان برپا کردیا؟

جواب:... یہ بھی نہیں، بلکہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق، امین، باوفا، خیرخواہ، عفیف اور پارسا جانتے تھے۔ کوہِ صفا پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکرِ جرار اس پہاڑی کے پیچھے کھڑا ہوا ہے اور آپ لوگوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے، تو کیا میری تصدیق کروگے؟" انہوں نے: "ما جرّبنا علیک إلّا صدقًا" کہا، اور انہوں نے کہا کہ ضرور! ہم نے آپ سے سچ ہی سنا ہے۔ (بخاری ج:۲ ص:۷۰۲، مسلم ج:۱ ص:۱۱۴)

سوال:... کیا ان تکلیفوں کا سبب نبوت اور آسمانی کتابوں کا انکار تھا، چونکہ مشرکین، نبوت اور آسمانی کتابوں کو نہ مانتے تھے، اس لئے تکلیف دیتے تھے؟

جواب:... یہ سبب بھی نہیں تھا، اس لئے کہ ان مشرکین میں سے یہود و نصاریٰ نبوت کے قائل تھے، اور تورات و انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں تسلیم کرتے تھے، نیز اکثر مشرکین مکہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، وہ نبوت کا انکار کیسے کرسکتے تھے؟ انہوں نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار صرف اس لئے کیا کہ چونکہ منصبِ رسالت اعلیٰ و برتر ہے اور اس منصب کے لئے امتیازی شان ضروری ہے، جیسے گورنر اور وزیر کے لئے کوئی امتیازی شان ضروری ہوتی ہے، جس سے عام و خاص اس کی وزارت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اس لئے وہ کہتے تھے کہ کوئی ایسا فرشتہ نازل ہوتا جس کو ہم دیکھتے: "لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَکٌ" (الفرقان:۷) کیوں نہیں نازل ہوتا اس پر فرشتہ (یعنی جس کو ہم دیکھتے)، ورنہ فرشتہ تو نازل ہوا کرتا تھا، یا اس کے باغ و نہریں ہوتیں: "اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ" (بنی اسرائیل:۹۱) (یا تیرے لئے ہوتا باغ کھجوروں اور انگوروں کا)، یا اس کا گھر سونے کا ہوتا: "اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ" (بنی اسرائیل:۹۳) (یا تیرے لئے ہوتا گھر سونے کا)، اور اگر یہ چیزیں نہیں کرسکتا تو کم از کم ہم پر انکار کے سبب پتھر برسا دیتا یا اور عذاب لادے: "فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" (الانفال:۳۲) (ہم پر پتھر برسا آسمان سے یا اور کوئی عذاب دردناک لے آ)، آپس میں ایک دوسرے کو یہ کہتے کہ: جب آپ سے ان باتوں کے متعلق نہیں ہوسکتا، تو کچھ بھی ہم سے بڑھ کر، کچھ بھی تمیز امتیاز اس کے پاس نہیں، تو رسول بھی نہیں ہوسکتا، کیا ہم آپ جیسے آدمی کے تابع ہوجائیں جس کا نہ حشم ہے، نہ خدم: "اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ" (القمر:۲۴) (کیا آپ جیسے آدمی کے تابع

تھے، "لا الٰہ الا اللہ" ان کے معتقدات کے خلاف کیسے تھا؟

جواب:... پہلے مشرکین کے معتقدات سنئے، پھر "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی سمجھئے، اس کے بعد سوچئے کہ "لا الٰہ الا اللہ" ان کے اعتقاد و یقین کے کس قدر خلاف ہے۔ مشرکین کے معتقدات کے متعلق عرض یہ ہے کہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" صفحہ:۶۱ میں فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ:

"إنّ اللہ ھو السّید وھو المدبّر لکنّہ قد یخلع علٰی بعض عبیدہ لباس الشّرف والتألّہ ویجعل متصرّفًا فی بعض الأمور الخاصّۃ ویقبل شفاعتہ فی عبادہ بمنزلۃ ملک الملوک یبعث علٰی کلّ قطر ویقلّدہ تدبیر تلک المملکۃ فیما عدا الأمور العظام۔"

ترجمہ:... "بے شک آقا تو خدا ہی ہے اور وہی مدبر بھی ہے، لیکن کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں پر تصرف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے، اور اپنے بندوں کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول کرتا ہے، جیسے شہنشاہ بڑے بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرر کرتا ہے وہ اس صوبے کے اختیارات ان کے سپرد کرتا ہے۔"

اسی طرح یہی مضمون اپنی کتاب "بدورِ بازغہ" صفحہ:۱۲۳ میں فرماتے ہیں:

"والغلاۃ من منافقی دین محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم فی یومنا ھذا۔"

ترجمہ:... "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

دین کا نام لینے والے اور حد سے بڑھنے والے منافقوں کا آج بھی یہی عقیدہ ہے۔"

سوال:... شفاعت کے قائل اور معتقد تو مسلمان بھی ہیں؟

جواب:... شفاعت دو قسم ہے: ایک شفاعت باِلاِذن، دُوسری شفاعت بغیر اِذن۔ پھر یہ ہر دو قسم یا دُنیا میں ہوں گی یا آخرت میں، چنانچہ یہ کل چار قسمیں ہوگئیں۔

۱:... شفاعت باِلاِذن دُنیا میں۔

۲:... شفاعت بغیر اِذن دُنیا میں۔

۳:... شفاعت باِلاِذن آخرت میں۔

۴:... شفاعت بغیر اِذن آخرت میں۔

قسم اوّل و دوم: تو ایک شخص دُوسرے کے لئے دُنیا میں اِذن (اجازت) و بغیر اِذن یعنی بلا اجازت دُعا و درخواست کرسکتا ہے۔ "یستغفرون للذین آمنوا" "فادع لنا ربک" وغیرہ آیات و احادیث اس کے جواز پر شاہد ہیں۔

قسم سوم یعنی شفاعت باِلاِذن آخرت میں: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام اجازت سے آخرت میں مؤمن کے گناہوں کی معافی اور رفعِ درجات کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

قسم چہارم، شفاعت بغیر اِذن آخرت میں: قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے منع ہے۔

پھر شفاعت کا قبول ہونا دو قسم پر ہے:

ایک:... یہ کہ شفاعت قبول کرنے والا شفاعت کرنے والے کے ڈر یا محبت میں مغلوب ہونے کے باعث، یا اس وجہ سے کہ مجھے بھی اس سے کام پڑتا ہے، شفاعت مان لیتا ہے، اس کو شفاعت وجاہت کہتے ہیں، اس شفاعت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں

اعتقاد کرنا سخت منع ہے۔ اسی کی نفی قرآن مجید میں جا بجا ہے: "لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ" قرآن مجید میں جہاں کہیں شفاعت کی نفی وارد ہوئی ہے وہاں اسی سے شفاعتِ غالبہ کی نفی مراد ہے، نہ کہ مطلق شفاعت کی۔ خوب سمجھ لیں!

قسم دوم: یہ کہ شفاعت قبول کرنے والا مہربانی اور غریب پروری سے کسی کی شفاعت و درخواست قبول فرما لیتا ہے، یہی قسم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوتی ہے۔ لیکن یہی مشرک لوگ اس کے قائل تھے کہ جب بھی مقبول بندہ کسی کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو ماننا پڑتا ہے، مقبول را رد نباشد سخن، اور اپنے بتوں کو محض پتھر یا لکڑی نہ سمجھتے تھے، بلکہ غیب جاننے والا، حاجت روا، مشکل کشا اور "هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" کے قائل و معتقد تھے۔

پتھر یا لکڑی کے بت کو کون پکارتا ہے؟ کون اس کو سفارشی مانتا ہے؟ بلکہ یہ لوگ اس بت والے کو، جس کی یہ صورت تھی، سفارشی مانتے تھے، اسی کو غائبانہ پکارتے تھے، اسی کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے تھے، اس بت کے آگے جھکنا، اس کی نذر و نیاز کرنا، دراصل بت والے کی نیاز تھی، نہ کہ محض بت کی۔ جیسے قبر کی پوجا، قبر پر غلاف چڑھانا، قبر کی طرف سجدہ کرنا، اور قبر سے درخواست کرنا، دراصل قبر والے سے ہے، نہ کہ محض قبر سے۔

ہاں! یہ لوگ بڑے بڑے امور جیسے: آسمان و زمین کا پیدا کرنا، بارش برسانا، روزی دینا، اور آنکھ، کان دینا وغیرہ اللہ تعالیٰ سے سمجھتے تھے، اور چھوٹے چھوٹے امور جیسے: ترید اولاد مل جائے، عمر دراز ہو، غربت سے امیری آ جائے، بیماری دور ہو جائے اور دشمن دفع ہو وغیرہ، وغیرہ، یہ اپنے خداؤں سے سمجھتے تھے کہ خود دیتے ہیں، دلا دیتے ہیں، کہ رب تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے۔ پس مسلمان شفاعتِ غالبہ اور شفاعتِ بالجبر کے قائل نہیں، بلکہ اس کو شرک یا گناہ کبیرہ جانتے ہیں، اور مشرک

اس کے قائل و معتقد تھے۔ (کذا فی فوز الکبیر و حجۃ اللہ البالغہ)

مشرکین کا دوسرا اعتقاد:

مشرکین اس کے بھی معتقد تھے کہ نیک لوگوں کو اگر دور سے اور غائبانہ پکارا جائے، تو وہ سن لیتے ہیں۔ خواہ بزرگ زندہ ہو یا فوت شدہ ہو، جہاں کہیں ہو معتقد و مرید کی پکار سن لیتا ہے، اور اس کی فریاد رسی کرتا ہے۔ اور اس سننے کے بھی تین طور پر قائل تھے کہ ہر وقت، ہر جگہ سے سنتا ہے، اور شفاعت کرکے یا خود بخود پکارنے والے کی پکار سن کر حاجت روائی، مشکل کشائی کرتا اور کراتا ہے، اس اعتقاد کا خلاصہ تین چیزیں ہیں:

۱۔۔۔ایک یہ کہ وہ لوگ دور سے ہر وقت سنتے ہیں، اور اگر مردہ بزرگ کو پکارا جائے، تو دوسرے جہان یعنی عالم برزخ اور علیین میں یا جہاں اس کی روح مبارک کا مسکن ہے، وہاں رہ کر ہر وقت سنتے ہیں یا وہ حضرات جیسے وہاں تشریف فرما ہیں۔ ویسے ہی ہمارے ساتھ اور ہمارے گھروں میں بھی ہیں، تب ہی تو پکارنے والا ان کا نام مبارک جپتا اور پکارتا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا کہ نہیں سنتے یا کبھی سنتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے، تو نہ پکارتا، اور نہ منہ سے نکالتا۔

۲۔۔۔یہ کہ ان کا کام خود کریں گے یا سفارش، شفاعت کرکے کام کرا دیں گے اور یقیناً کرا دیں گے، کیونکہ اگر یہ سمجھتا کہ سنتے تو ہیں مگر کام نہ کرا سکیں گے، یا نہیں کریں گے، یا شفاعت نہ کریں گے، تب بھی نہ پکارتا۔

۳۔۔۔یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست، دعا اور سفارش کو ضرور قبول فرمائیں گے، اگر یہ سمجھتا کہ درخواست کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ ان کی مانے یا نہ مانے، قبول کرے یا نہ کرے، تو بھی نہ پکارتا اور منہ سے نہ نکالتا، کسی چیز کو کون

اختیار کرتا ہے؟ انا مل! دنیا میں ہوتے ہوئے دور سے یا عالم برزخ میں ہوتے ہوئے دور و قریب سے اور ہر وقت سنتے ہیں، اگر ان کا علم عام اور تام مان لیا تو شرک فی العلم ہو، اور اگر یہ سمجھا کہ وہ حضرت اپنے مسکن پر بھی ہیں اور ہمارے ساتھ بھی ہیں، تو حاضر ناظر سمجھا، "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ" کی صفت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، اس صفت میں ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا، اور جب یہ اعتقاد کیا کہ خود کام کر دیں گے اور ہر وقت کر سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی صفت قدیر اور وکیل میں شریک کر دیا، اور جب یہ اعتقاد کیا کہ کام کرا سکتے ہیں، خواہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو یا نہ ہو، تو دوسرے کو بھی جلال والا مانا کہ اللہ تعالیٰ اس کا لحاظ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی صفت "ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" میں شریک کر دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ جیسے ذات میں لا شریک ہیں، ویسے ہی صفات میں بھی لا شریک ہیں، باقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مثلاً: رؤف و رحیم کا، یا مطلق انسان پر جہاں سمیع و بصیر کا اطلاق ہوا ہے، وہ بطور مجاز کے ہے، خلاصہ یہ کہ علم کامل، قدرت کاملہ اور رحمت کاملہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے، دوسرے میں سمجھنا غلط بات ہے۔

"لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا معنی!

چونکہ یہ رسالہ بچوں کے لئے ہے، اس لئے مختصر طور پر یہ ہے کہ:

ا:... مشرکین کے غلط خیالات کے رد اور اس کے جواب میں جن، جن صفات کو قرآن مجید میں لایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صفات بطور حصر کے بیان فرمائی گئی ہیں، ان کو دوسرے میں ماننا ناجائز، حرام اور شرک ہے۔

مثلاً: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ" اللہ تعالیٰ یگانہ ہے، صمد ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، ہر شخص اس کا محتاج ہے، احد، صمد بس وہی ذات ہے، دوسرا کوئی نہیں

متکبرین"۔ پھر جب "لا الٰہ الا اللہ" سنا، چونکہ زبان دان تھے، سنتے ہی بول اٹھے:
"أجعل الآلهة إلٰها واحدا إن هذا لشيء عجاب" (ص:۵) کیا بہت سے معبودوں کو جن سے ہم مطالب پورے کراتے تھے، نقصان رفع کراتے تھے، ان سب کو ایک معبود میں جمع کر دیا، یہ چیز سخت تعجب خیز ہے۔ "وإذا قيل لهم لا إله إلا الله يستكبرون" (الصافات:۳۵) جب ان کو کہا جاتا ہے "لا الٰہ الا اللہ" تو تکبر کرتے تھے یعنی نہیں مانتے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کو خالق ارض و سماء بھی مانتے تھے، رزق دینے والا، آسمان سے بارش برسانے والا، زمین سے غلہ وغیرہ پیدا کرنے والا اور مالک سمع و بصر "أمن يملك السمع والأبصار ... الخ" (یونس:۳۱) وغیرہ، اور دوسرے بزرگوں، بعض جنوں اور بعض فرشتوں وغیرہ کو بھی حاجت روا، مشکل کشا مانتے، اور ان کی نذر و نیاز چڑھاتے تھے، تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہمارے مطالب پورے کرا دیں۔ "ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى" (الزمر:۳) (ہم ان کی پوجا و عبادت اس لئے کرتے ہیں، تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں)۔

وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شہنشاہ، مالک الملک ہے، ہم گناہ گاروں کی کہاں سنتا ہے؟ مگر ان حضرات کی سنتا اور ضرور مانتا ہے، بالکل رد نہیں کرتا، یا رد کر نہیں سکتا۔ لہٰذا ہم ان کی عبادت، سجدہ، طواف، اعتکاف، نذر و نیاز، دور سے پکارنا، ان سے امیدیں وابستہ کرنا، ان کی وکالت سے کام لینا اور [illegible] اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو مقرب بنا دیں، مطالب پورے کرا دیں اور مشکل کشائی کرا دیں، اسی کو اللہ تعالیٰ نے شرک فرمایا اور "إن الله لا يغفر أن يشرك به" (النساء:۴۸) کا حکم بطور قانون کلی کے فرما دیا۔

پس "لا الٰہ الا اللہ" کا کلمہ یہ چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مافوق

اشاعۃ التوحید

حصہ سوم

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ کَمَا ھُوَ شَانُہٗ،

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ خَاتَمِ الرُّسُلِ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ کَمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضَاہُ. اَمَّا بَعْدُ!

عرض پرداز ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت، دیانت، عدالت، عفت، سخاوت، حلیمی، مہمان نوازی، ہمدردی اور غمگساری میں بچپن سے جوانی تک شہرت ہونے کے باوجود جب انہوں نے توحید کی دعوت دی تو ان پر اپنوں اور پرایوں کی جانب سے مصائب کے سیلاب و طوفان آ گئے۔ دشمنوں نے پتھر برسا کر لہولہان کیا، شعب ابی طالب میں خیمہ سمیت محبوس کیا، تمام قوم نے بائیکاٹ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ اسی طرح آپ کے جاں نثاروں پر جو جو ہولناک واقعات گزرے، ان کو پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے، حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کیا، حضرت یاسرؓ کافروں کے ہاتھوں سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے، حضرت ابو فکیہہؓ کے پاؤں میں رسی باندھ کر ان کو گھسیٹا گیا، توحید کے جرم میں سینکڑوں جوان اور عورتیں شہید ہو گئیں۔ حضرت بلالؓ کو گرمی کی دوپہر میں ریت پر لٹایا گیا، سینہ پر پتھر کی وزنی چٹان رکھ دی، حضرت خباب

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکر جرار اس پہاڑی کے پیچھے ہے جو تم لوگوں پر حملہ کے لئے تیار ہے، تو کیا میری تصدیق کروگے؟" قالوا: ما جربنا علیک الا صدقا" انہوں نے کہا کہ ضرور! ہم نے آپ سے سچ ہی سنا ہے"

(بخاری ج ۲ ص ۷۰۲، مسلم ج ۱ ص ۱۱۴)

کیا ان تکلیفوں کا سبب نبوت اور آسمانی کتابوں کا انکار تھا؟ نہیں! ان میں سے یہود و نصاریٰ نبوت کے قائل تھے اور تورات و انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں تسلیم کرتے تھے، اور اکثر مشرکین مکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، وہ نبوت کا انکار کیسے کرسکتے تھے؟

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار اس لئے کرتے تھے کہ رسالت کا منصب اعلیٰ و برتر ہے اور منصب رسالت کے لئے امتیازی شان ضروری ہے، جیسے وزیر و گورنر کے لئے کوئی امتیازی شان ہوتی ہے، جس سے عوام و خواص اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اس لئے ان کا کہنا تھا کہ ان پر کوئی فرشتہ نازل ہوتا جس کو ہم دیکھتے: "لولا انزل الیہ ملک" (الفرقان: ۷) یا ان کے باغ اور نہریں ہوتیں: "او تکون لک جنۃ من نخیل و عنب" (بنی اسرائیل: ۹۱) یا ان کا سونے کا گھر ہوتا "او یکون لک بیت من زخرف" (بنی اسرائیل: ۹۳) اور کم از کم ہم پر انکار کے سبب پتھر برسنے یا کوئی دوسرا عذاب لاتے: "فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم" (الانفال: ۳۲) لیکن جب امتیازی شان نہیں تو یہ رسول نہیں، کیا ہم آپ جیسے کو رسول مان کر تابعداری کریں۔ "ابشرا منا واحدا نتبعہ" (القمر: ۲۴) ہم آپ جیسے آدمی، جس کے نہ خدم ہیں، نہ حشم، کے تابع ہوجائیں؟ تو مشرکین مکہ اصل رسالت کے منکر نہ تھے، ہاں! البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

رسالت کی ان وجوہ کے منکر تھے، جن کا جواب جابجا قرآن مجید میں صاف اور واضح طور سے دیا گیا ہے۔

کیا قیامت کے انکار کے باعث وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے تھے؟ نہیں، بلکہ بعض جیسے زہیر بن ابی سلمی، عامر بن ظرب اور عبداللہ بن [illegible] قضاعہ وغیرہ قیامت کے قائل تھے۔ (حاشیہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۱ مطبع دہلی)

اور بعض اہل جاہلیت قبروں پر جانور ذبح کرتے اور کہتے: جس نے جانور ذبح کیا وہ قیامت کے دن سوار ہوگا ورنہ پیدل۔

(سبل السلام ج ۲ ص ۱۲۸، عون المعبود ج ۳ ص ۲۲۱)

اگر یہی وجہ ہوتی تو مشرکین ان پر بھی تکلیفیں ڈالتے۔ پھر قیامت کا عقیدہ ان چیزوں سے بھی متعلق نہیں، جن سے چھوٹے بڑے، عورت، مرد، جوان، بوڑھے، دیہاتی، شہری اور دور و قریب والے بھی آگ بگولہ تھے۔

مسئلہ توحید بیان کرنے سے ہی سب بگڑ گئے

دراصل جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی تبلیغ کی اور یہ چیز تمام مشرک اقوام کے معتقدات کے خلاف تھی، اس سے انہوں نے اس پر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ مذہب کی تبدیلی معمولی چیز نہیں، خصوصاً جبکہ ان کے معبودوں کو بے قدرت، بے قوت، نہ سننے، نہ دیکھنے والے، عاجز کہا گیا اور مچھر کو بھی پیدا کر نہیں سکتے، اور اگر ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے لے بھی نہیں سکتے، نہ پکارنے والوں کو نفع دے سکیں، نہ انکار کرنے والوں کو نقصان پہنچا سکیں، خود دوسروں کے محتاج، نہ موت کے مالک، نہ حیات کے، نہ علم تام اور کامل رکھتے ہیں، (غیب کیا جانیں) اور یہ کہ ان میں سے جن، فرشتے، انسان، ولی، بزرگ کو [illegible]

قریب اور ہر وقت کا علم نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ خداداد ہے اور علم تام بھی نہیں۔

کیونکہ فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا تھا:

"لا علم لنا الا ما علمتنا" (البقرہ:۳۲)

ترجمہ…"ہمیں وہی علم ہے جو آپ نے ہمیں سکھایا، اس سے زیادہ نہیں۔"

جنوں کے متعلق سورۂ سبا میں ہے:

"لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المہین۔"

ترجمہ:"اگر جن خبر رکھتے ہوتے غیب کی تو نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں۔"

انسانوں میں سب سے بڑے انبیاء و پیغمبر ہیں، ان کو مخالف ذلیل پر جو جو تکلیفیں آئی ہیں، (جیسے نوح علیہ السلام وغیرہ) وہ اگر علم غیب رکھتے تو یہ تکلیف بھی نہ آتی۔

سورۂ صافات میں کفار کی مخالفت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"انہم کانوا اذا قیل لہم لا الٰہ الا اللہ یستکبرون۔" (الصّٰفّٰت:۳۵)

ترجمہ…"وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو غرور (اور انکار) کرتے تھے۔"

پھر اس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے:

"اجعل الآلہۃ الٰہا واحدا ان ہذا لشیء عجاب۔" (ص:۵)

"لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ."

(النحل:۵۱)

ترجمہ..."تم دو الٰہ نہ بناؤ، الٰہ تو صرف ایک ہی ہے۔"

"الٰہ" کے معنی:

"الٰہ" کا معنی، جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا، قرآن اور حدیث کے بیان کے مطابق پیش خدمت ہے، جس کی زمانہ سابق و حال کے مشرک اور زمانہ قدیم و جدید کے جاہل جتلا رہے اور تکلیف کے وقت غیر اللہ کو الٰہ سمجھتے رہے، اور اب بھی سمجھتے ہیں، اور دکھ کے وقت انہیں دور سے ان امور میں جو انسانی اختیار سے باہر ہیں، پکارتے ہیں، یہ ہے:

"اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ. اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ."

(النمل:۶۰تا۶۳)

ترجمہ..."بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین؟ اور

اُتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی؟ پھر اُگائے ہم نے اس
سے باغ رونق والے، تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے ان کے
درخت، اب کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ (کوئی نہیں) وہ لوگ
اللہ کے ساتھ برابر کرتے ہیں دوسروں کو۔ بھلا کس نے بنائی
زمین ٹھہرنے کی جگہ؟ اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور
رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو دریا میں پردہ؟ اب کوئی
الٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ (کوئی نہیں) بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں۔
بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور
کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر؟ اب کوئی
الٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔ بھلا کون راہ
بتلاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل اور دریا کی؟ اور کون چلاتا ہے
ہوائیں خوشخبری دینے والی اس کی رحمت سے پہلے؟ اب کوئی الٰہ
ہے اللہ کے ساتھ؟ بہت بلند ہے اس سے جس کو تم شریک
بتلاتے ہو۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا، اور آسمانوں سے پانی برساتا ہے جس سے باغ رونق دار اگاتا ہے، زمین کو آرام گاہ کس نے بنایا اور نہروں کو اسی نے جاری کیا، اور دریا شور و میٹھا کے درمیان حاجز (پردہ) رکھا اور دکھی کی پکار سنتا، دکھ دور کرتا، اور جانشین زمین پر بناتا، یہ سب اسی کا کام ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، پس اللہ کا معنی معلوم ہوا، شرعی حیثیت سے جو یہ کام نہیں کر سکتا وہ اللہ نہیں ہے۔ اب "لا الٰہ الا اللہ" کا معنی یہ ہے کہ خالق اور بارش برسانے والا، باغ رونق دار اگانے والا، زمین کو آرام کی جگہ بنانے والا اور

اختیارات ان کے سپرد کرتا ہے۔"

اسی طرح یہی مضمون اپنی کتاب "ہدیہ مجیدیہ" صفحہ ۱۳۳ میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں

"والغلاۃ من منافقی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذا ہذا." (ہدیہ مجیدیہ ص ۲۲)

ترجمہ: "حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا نام لینے والے غالی درجے کے منافقوں کا بھی آج یہی عقیدہ ہے۔"

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ انبیاء، رسولان، اتقیاء کرام اور اولیاء اللہ کو ذاتی اور مستقل طور پر یہ اختیارات حاصل تھے، بلکہ ان کا عقیدہ تو یہ تھا کہ عطائی اور غیر مستقل طور پر ان کو یہ اختیارات حاصل تھے، پھر سارے جہان کے لیے نہیں بلکہ بعض خاص لوگوں کے بارے میں بھی سب اختیار نہیں بلکہ امور عظام (اہم امور) کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امور میں تصرف کا عقیدہ رکھتے تھے مگر باوجود اسی عقیدہ کے یہود، نصاریٰ اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافر اور مشرک کہا اور قرآن مجید کے پارہ ۲۳ سورۃ زمر میں فرمایا:

"والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفی" (زمر: ۳)

ترجمہ: "وہ جنہوں نے پکڑے ہیں اس کے سوا حمایتی (کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کو پوجتے ہیں اس واسطے کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔"

یعنی نذر اور منت عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کے لئے جائز نہیں۔

قرآن مجید سورۂ مؤمن میں ہے:

"اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ." (المؤمن ۶۰)

ترجمہ... "مجھے پکارو میں ہی قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میرے پکارنے سے بڑائی کرتے ہیں، دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔"

یہاں علامہ ابن جریرؒ نے حدیث مرفوع سے مرفوعاً عبادت کا معنی دعا کا کیا ہے۔

دفع شبہ:

بعض کہتے ہیں کہ شرک یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور چونکہ کوئی کلمہ گو بتوں کی عبادت نہیں کرتا، لہٰذا وہ اگرچہ کچھ بھی کہے یا کرے، مشرک نہ ہوگا۔

جواب:... قوم نصاریٰ کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

"وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ....." (المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ... "اور جب فرمائے گا اللہ: اے عیسیٰ بن مریم! تو نے کہا تھا لوگوں کو کہ ٹھہرا لو مجھ کو اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ؟ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے: تو پاک ہے! مجھ کو

اَھٰٓؤُلَاۤءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ. قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِھِمۡ، بَلۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ، اَکۡثَرُھُمۡ بِھِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ"

(سبا ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: "اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو، کہے گا فرشتوں سے: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: پاک ہے تیری ذات! تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے علاوہ، بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ اکثر ان ہی پر اعتقاد رکھتے تھے۔"

غیر اللہ خواہ فرشتہ ہو یا جن، اس کی عبادت شرک ہے، پھر عبادت عام ہے:

۱... خواہ ان کو سجدہ کرے۔

۲... ثواب کے لئے اپنے مال میں ان کا حصہ یا چہلم وغیرہ مقرر کرے، جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔

۳... ان کے تقرب کے لئے کوئی کھانا پینا یا جماع کرنا چھوڑ دے، جیسے صوم۔

۴... ان کی قبر وغیرہ کا طواف کرے جیسا کہ حج میں کیا جاتا ہے، یا ان کے نام کی قربانی کرے اور یہ سمجھے اور اعتقاد رکھے کہ اگر نہ دوں گا تو نقصان پہنچیں گے، اور اگر قربانی، نیاز، منت وغیرہ کروں گا تو یہ بچا لیں گے، یا مال، اولاد وغیرہ بڑھا دیں گے۔

۵... ان کو دور سے پکارے اور سمجھے کہ وہ دور سے سن لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری حاجت روائی یا مشکل کشائی کروا لیتے ہیں۔

۶... کسی کے قانون رواج وغیرہ پر زندگی بسر کرنا درست سمجھے، حالانکہ زندگی بسر کرنے کا قانون تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، کیونکہ "اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (الآیۃ)

قانون جس پر زندگی بسر کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

یہ چیزیں عبادت ہیں اور عبادت محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے روا ہے، نہ غیر کے لئے، اس لئے کہ: "لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللہ" اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور غیر کی عبادت کرنا جیسا کہ ہوتا رہا ہے، الٰہ بنانا ہے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دوسروں کو خواہ بزرگ ہو، پیغمبر ہو، فرشتہ ہو، جن ہو، بت ہو، کوئی بھی ہو، الٰہ نہ بناؤ، اس کی پوجا نہ کرو، محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور مشرک تقرب کے لئے ان کی پوجا کرتے تھے، اسی وجہ سے اختلاف اور دشمنی ہوئی۔

سوال:... قرآن مجید میں جگہ جگہ "مِنْ دُوْنِ اللہ" کا جملہ آتا ہے، اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مشرکین عرب، اللہ تعالیٰ کو بالکل چھوڑ کر "نَسْیًا مَّنْسِیًّا" (بھولا بسرا) کرکے غیروں کو پکارتے اور ان کے نام پر نذر و نیاز دیتے یا ان سے استعانت وغیرہ کرتے تھے، اس لئے وہ مشرک تھے۔

جواب:... مشرکین، بندگانِ خدا کو محض سفارشی سمجھتے تھے اور ان کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ جانتے تھے، جبکہ انتہائی مصیبت میں وہ خدا تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "دَعَوُا اللہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ" خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے (یعنی انتہائی مصیبت کے وقت)۔

قرآن کریم، حدیث، اشعارِ عرب اور لغت سے "دُوْن" کا معنی عرض کیا جاتا ہے، چنانچہ "دُوْن" کا معنی ورے، پیچھے اور سامنے کے بھی آتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین پہنچے اور وہاں کنویں پر تشریف لے گئے۔

"وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِہِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ۔"

(القصص: ۲۳)

ترجمہ: "پایا ان سے ورے دو عورتیں کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں بکریاں۔"

یہاں دُون کا معنی غیر کے نہیں، ورنہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں لوگ نہ تھے، یہ دو یہیں ہی تھیں۔ یہ قرآن کریم کے مطلب کے خلاف ہے۔

بخاری صفحہ:۵۴۸ اور مسلم صفحہ:۹۱ میں معراج کے قصے میں فرمایا: "دُوْنَ الْبَغْلِ فَوْقَ الْحِمَارِ" یعنی اس براق کا قد خچر کے نیچے (یعنی پست) اور گدھے کے اوپر (یعنی دراز) تھا، اس حدیث میں دون کا تقابل فوق کیا گیا، یعنی نیچے اوپر، اور ایک شاعر کہتا ہے

ملكت بها كفي فانهرت فتقها

يرى قائم من دونها ما وراءها

(حماسہ)

یعنی میں نے نیزہ مضبوط طور پر ہاتھ میں پکڑ کر زخم کو خوب کشادہ کیا، اس زخم سے ورے کھڑے ہونے والے کو پار کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔

اس شعر میں دون کا معنی ورے اور سامنے کا ہے، اور صراح صفحہ:۲۰۵ میں دون کے معنی یہ لکھے ہیں: فرود، جز، نقیض، فوق۔

دون کے اس معنی اور مشرکین کے ذات باری تعالیٰ کے خالق، مالک، مدبر اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والے عقیدہ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو "دُوْنَ اللّٰہ" کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کو مانتے ہوئے اس کے نیچے اور اس کے ورے دوسروں کو پکارا کرتے تھے، اور ان کے ناموں کی نذر و نیاز دیا کرتے تھے، تاکہ وہ راضی ہوکر خدا تعالیٰ سے ان کے کام کرادیں، یہی ان کا شرک تھا، لیکن آج کل بعض کلمہ پڑھنے

والے بھی اسی حال کے ہیں۔

فائدہ... یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مختصر رسالہ ہے۔ اس میں تمام دلائل کا اا احاطہ کرنا اختصار کے خلاف ہے۔ فریق مخالف ایک ایسی صریح آیت بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے واضح طور پر یا ممکن و محتمل طور پر غیر اللہ کو غائبانہ پکارنے کا مطلب نکلتا ہو، باقی جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں، وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع، یا پھر ان کا مطلب صاف اور واضح نہیں، اور محتمل مطلب سے اثبات عقیدہ کیسے ہوا؟ اثبات عقیدہ کے لئے قطعی دلیل یعنی قرآن کریم اور حدیث متواتر صاف مطلب والی ہونی چاہئے، خبر واحد اور وہ بھی ضعیف، آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کے مقابلے میں کیسے آ سکتی ہے؟ نیز اصول موضوعہ حدیث رفقہ کے بھی خلاف ہیں۔

اس سلسلے میں درج ذیل روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا:

"اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدَاهْ!" (ابن سنی ص ۵۹، ادب المفرد ص ۱۴۲)

ترجمہ... "ان کو یاد کرو جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے کہا: یا محمداہ!"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ مرفوع نہیں، نیز ضعیف ہے، اس کی ایک سند میں "غیاث" نامی ایک راوی ہے، جسے دار قطنی نے متروک کہا ہے۔ (میزان ج ۳ ص ۳۳۸، لسان ج ۴ ص ۴۲۲)

اور دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے، امام نسائی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب ج ۹ ص ۴۵۹، میزان ج ۳ ص ۱۴۲)

تیسری سند میں زہیر بن معاویہ عن ابی اسحاق ... الخ ہے۔ زہیر اگرچہ ثقہ ہیں مگر وہ حدیث جو ابو اسحاق کے طریق سے ہوتی ہے وہ ضعیف ہوتی، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب صفحہ ۱۳۰ میں اور علامہ ذہبیؒ نے میزان ج:۱ صفحہ ۳۵۵ اور امام ابوحاتمؒ نے تہذیب ج:۳ صفحہ ۳۵۲ میں اس کی تصریح کی ہے۔ نیز اس میں "اذکر" کا لفظ ہے "ادع" کا نہیں، اور حرف ندا قریب و بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

(شرح ملا جامی ص:۲۳۰ وغیرہ)

اور شوق سے یا غم میں پکارنا جبکہ اس کو حاضر ناظر نہ سمجھے اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور نہ جانے، ممنوع بھی نہیں، جیسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے: "یا رسول اللہ انظر حالنا" "کوئی اسے پیارا آ خبر کہولی" (یوسف زلیخا) کما لا یخفی۔

شبہ... اسی طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "یا محمدا" کا کہنا کتاب الاذکار میں مذکور ہے۔

جواب... اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ متروک ہے۔

(میزان ج:۲ ص:۳۳۳)

اسی طرح ایک حدیث یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہئے:

"یا عباد اللہ اعینونی، فان للہ فی الارض حاضرا (وفی روایۃ عبادا) یستحبسہ۔"

(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۳۲، ابن السنی ص:۱۶۲، حصن حصین ص:۱۰۳)

ترجمہ... "اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کیونکہ
وہاں زمین میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اس کو روک لیں گے۔"

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر اس کی سند میں معروف بن حسان ہے، جس کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں: ضعیف ہے، (مجمع الزوائد ج:١٠ ص:١٣٢) ابنِ عدی کہتے ہیں: منکر الحدیث ہے (میزان ج:٣ ص:١٨٣)۔

دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان تک پہنچتی ہے، اس میں بھی علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا: "علیٰ ضعف فی بعضہم" نیز یزید بن علی راوی کی عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں، اور نہ اس نے ان کو دیکھا، لہٰذا یہ روایت محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے، جو ضعیف ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد ج:١٠ ص ١٣٢)

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں، جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو "اعینونی عباد اللہ" کہا کرو۔

(مجمع الزوائد ج:١٠ ص:١٣٢ وقال رجالہ ثقات)

تو اس روایت کی بنا پر مافوق الاسباب مردوں اور غائبوں سے مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا، بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں، ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اسی طرح دوسری حدیثوں کا حال ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ وأتباعہ أجمعین
من العلماء والصلحاء الفضلاء والطلبۃ والعوام

خیر الاذکار فی حیاتِ سید الابرار

یعنی

سرورِ دو عالم کی حیات کا حسین تذکرہ

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلوی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ
وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَنَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى خَيْرِ
خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ!

عارض ہوں کہ جناب سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ سے عموماً اگرچہ ہر شخص اجمالی طور پر اور کچھ تفصیلی طور پر بہرہ مند ہے، اور اسی بنا پر غائبانہ شائق، عاشق، فدائی، تمام عجز و نیاز سے زیارت فیض بشارت مدینہ منورہ (شرفہا اللہ تعالیٰ) کا ملتجی، خواہش مند اور ہر وقت مال و جان فدا کرنے پر تیار ہے، لیکن اکثر دیہاتی نوجوان اور کم علم مرد و زن حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و فضائل سے لاعلم ہونے کے باعث اس فیض سے کم نصیب ہیں، اور ایسی مختصر کتاب کہ جس سے کم فہم بھی فائدہ حاصل کر سکیں مروج و مدون نہیں کیا ہے، اسی لئے چند اوراق بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں، تاکہ عورتیں اور بچے بھی یاد کر سکیں، اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس ناقابل مایہ کو قبول فرمالیا تو زہے نصیب!

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا! وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اور یہ مختصر رسالہ چند فصول پر مشتمل ہے:

فصلِ اوّل:

حضور شفیع المذنبین ؐ کے بعض فضائل:

اس فصل کی احادیث کا ماخذ مشکوٰۃ شریف ہے، جبکہ بعض نشر الطیب اور مواہب میں موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات جسمانی وروحانی اگرچہ حدِ بیان سے باہر ہیں، مگر بطور نمونہ چند پیشِ خدمت ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا میں جلوہ گر ہونے تک، نسل نجیب و اصلاب پاک میں منتقل ہوتے آئے ہیں، آپ سب سے بہتر قوم کے چشم و چراغ تھے، اور آپ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے مشہور تھی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مصداق بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، اور سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوں تو سب پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو اور ان پر ایمان لاؤ، سے معلوم ہوتا ہے کہ سب پیغمبر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت میں سے ہیں، اور جب حضور شافع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں مبارک کے پیٹ سے اس جہانِ فانی کو مشرف فرمایا، یعنی پیدا

ہوئے تو ان کی مبارک ماں کو ایسا نور نظر آیا جس سے شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔

چند اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے، بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا، بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں۔ اتنے میں حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہاری بات کو سن رہا تھا اور تمہارے تعجب کرنے کو معلوم کر رہا تھا۔ بے شک ویسے ہی ہے جیسا تم لوگوں نے کہا، سن لو کہ میں حبیب اللہ ہوں۔۔ اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا۔۔۔ اور قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور دوسرے انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے؛ اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور اوّل شفاعت میں ہی کروں گا اور میری ہی شفاعت منظور ہوگی، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور جنت میں پہلے میں ہی داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ غریب مومن ہوں گے، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور میں پہلے پچھلے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تعظیم والا ہوں، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور سب رسولوں کا پیشوا میں ہی ہوں گا، اور سب نبیوں کی نبوت میرے اوپر ختم ہوئی ہے، اور یہ بات بطور فخر کے نہیں کی، اور قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا، اور جب پیغمبروں کو بات کرنے کی قوت نہ ہوگی تو ان کی طرف سے گفتگو کرنے والا میں ہی ہوں گا، اور جب پیغمبر سب کی جگہ بند کئے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا، اور جب پیغمبروں کو ناامیدی کی نوبت آنے والی ہوگی تو ان کو خوشخبری دینے والا میں ہی ہوں گا۔

اور ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا اور مجھے بہشتی پوشاک پہنائی جائے گی، اور عرش کے داہنی طرف سے ایسے مقام میں ہوں گا کہ کسی اور کو اس مقام میں رہنے کی قوت نہ ہوگی۔

دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا۔ اور اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس پہننا سب سے اول معلوم ہوتا ہے، تو رفع تعارض اس طرح ہے کہ ایک لباس انشقاقِ ارض کے بعد اور قبر سے نکلنے سے پہلے پہنایا جائے گا، اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متقدم ہیں۔ اور ایک لباس بعد حشر میدانِ قیامت میں ہوگا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام متقدم ہوں گے۔ (نشر الطیب صفحہ: ۲۱۵)

حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور مالِ غنیمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حلال کیا گیا ہے، اور سب زمین کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسجد اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا ہے، حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار سب نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ ہوں گے۔

حضورؐ وفاتِ ظاہری کے بعد بھی زندہ ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ دنیا میں زندہ تھے، اس سے زیادہ بہتر صورت میں اپنے دنیاوی پاک جسم کے ساتھ قبر مبارک میں بھی زندہ ہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی طرح زندہ ہیں، کھاتے پیتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، وغیرہ ذالک۔

خواب میں زیارت کرنا:

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شخص خواب میں زیارت کرے، وہ خواب بالکل سچا ہے، خواہ بچپن سے لے کر کہولت تک، جس صورت میں بھی آپ کی زیارت نصیب ہو، لیکن اگر کوئی ایسا امر دیکھے جو شانِ نبوی کے مناسب نہ ہو، تو وہ دیکھنے والے کی غلطی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

البتہ کثرت درود شریف، اتباع سنت اور غلبۂ محبت پر اس کا اکثر ترتب ہوجاتا ہے۔ (نشر الطیب)

اگر زیارت کا شرف حاصل کیا، مگر طاعت سے رضا حاصل نہ کی، تو وہ نجات کے لئے کافی نہیں۔ (نشر الطیب ص:۲۵۹)

شفاعت کی اقسام:

قاضی عیاض، علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ: شفاعت چھ قسم ہے:

۱:... ایک یہ کہ لوگ تمام اضطراب میں ہوں گے، کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ ربِّ ذوالجلال والاکرام کے سامنے بات کرسکے، سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں جاکر عرض کریں گے کہ ہمارے لئے شفاعت فرمایئے! تاکہ اس جگہ سے (یعنی حساب کی جگہ سے) ہماری خلاصی ہوجائے، وہ جواب میں فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ کہ وہ اول نبی ہیں، وہ بھی یہی جواب فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سب ایک ہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، آخر حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ: یہ میرے لئے ہے، یعنی یہ شفاعت کا کام مجھے ہی کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: پھر میں حضرت جل مجدہٗ وعز اسمہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت لوں گا، اور مجھے اجازت دی جائے گی،

جب حضرت حق تعالیٰ تبارک اسمہٗ کی زیارت کروں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ کی تعریفیں الہام ہوں گی کہ مجھے اب یادداشت میں نہیں ہیں، جتنی دیر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا سجدہ میں رہوں گا، پھر فرمان ہوگا کہ سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو سوال کرو گے دیا جائے گا اور شفاعت منظور کی جائے گی، اس پر میں عرض کروں گا: ”یا رب امتی امتی“ کہا جائے گا کہ جس کے دل میں جو کی مقدار میں ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال، ایسا ہی کروں گا، اسی طرح دوسری اور تیسری بار فرمان ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو اس کو نکال، ایسا ہی کروں گا۔

۲... دوسری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو حساب کے بعد عذاب کے مستحق ہو گئے تھے، چنانچہ ان کو بھی میری شفاعت سے رہائی مل جائے گی۔

۳... تیسری شفاعت اس قوم کے لئے ہوگی جو گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہو گئی تھی۔

۴... چوتھی شفاعت جنت میں بلا حساب داخل کرنے کے لئے ہوگی۔

۵... پانچویں شفاعت درجات بلند کرنے کے لئے ہوگی۔

۶... چھٹی شفاعت بعض کفار کے لئے عذاب کی کمی کے واسطے ہوگی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ساتویں قسم کی شفاعت بھی بیان فرمائی ہے کہ اپنی امت کے لئے فرمائیں گے کہ سب امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آٹھویں قسم بھی بیان فرمائی ہے، جو اس قوم کے لئے ہوگی جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، اور وہ شفاعت ان کے جنت میں داخل ہونے کے لئے کی جائے گی

(اس کے مضامین سیرت رحمۃ للعالمین سے ماخوذ ہیں، مرتبہ مولانا اطیب سے)

یہ بھی حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت

عبدالمطلب نے کہا محمدؐ! لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور تعریف کے شایان قرار پائے۔ اور ماں نے خواب میں ایک فرشتہ سے بشارت پا کر احمدؐ نام رکھا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حمد سے خاص مناسبت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام محمد و احمد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے، امت محمدیہ کا نام حمادون ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء کا نام لواء الحمد ہے، والحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً

(ملتقط من سیرۃ سیرت خاتم الانبیاء، کذا فی فتح الملہم شرح صحیح مسلم بتغییر یسیر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال اور دو روز کے تھے کہ اس وقت آپ کی دودھ پلانے والی نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچایا۔

عرب کا دستور تھا کہ بچے کو شروع دن کے بعد دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر دیتے کہ اچھی آب و ہوا کے مقام پر پرورش کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ پلانے والی مکرمہ کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ (از سیرت)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے ہو گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ہمراہ لے کر آپ کے ننھیال بنی نجار میں مدینہ شریف لے گئیں، اور ایک مہینے بعد لوٹتے ہوئے مقام ابواء میں انتقال کر گئیں، حضرت ام ایمن بھی ساتھ تھیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف لے آئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حمل ہی میں تھے کہ آپ کے والد صاحب انتقال کر گئے تھے۔ آپ کی آپ کے دادا عبدالمطلب صاحب نے پرورش کی، پھر آپ کے دادا صاحب کا بھی انتقال ہو گیا۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ برس کی تھی، اور عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کے چچا صاحب ابوطالب نے ... جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد صاحب کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی پرورش کی۔ اور وہ آپ کو شام کی طرف تجارت کے لئے لے چلے تھے، کہ راہ میں بحیرا نے جو نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کو دیکھا اور آپ کے چچا کو تاکید کی آپ ان کی حفاظت کریں۔ یہ نبی ہیں، اور آپ کو مکہ شریف واپس کرا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت ۱۳ سال کی تھی جب آپ چچا صاحب کے ساتھ سفر پر گئے، اور نصاریٰ کے بحیرا راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال کو بھیجا تھا۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صریح غلطی ہے، اول تو بلال نہ ابوطالب کے پاس تھے نہ ابوبکر کے پاس، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس وقت موجود ہی نہ ہوں۔ زاد المعاد اور سیرت محمد بن سلیمان ص ۲۳ میں ہے کہ راہب کی داستان ناقابل اعتبار ہے۔ فقیر عبداللہ عرض کرتا ہے کہ اس قصے کو بعض نے صحیح کہا ہے مگر بلال کے لفظ کو مدرج کہا ہے، اور اگر بالفرض ناقابل اعتبار بھی ہو تو دشمنوں کی زبان سے فضیلت کے دوسرے شواہد کوئی کم نہیں ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر شام کو چلے، راہ میں نسطورا نے جو کہ نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کے نبی ہونے کی گواہی دی، اور جب آپ لوٹے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوئی، اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی، اور حضرت خدیجہ چالیس برس کی تھیں۔

کیونکہ اس سفر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا، جو سفر میں دیکھی تھیں، ان اوصاف کو سن کر حضرت خدیجہؓ نے خود درخواست کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کر لیا، حالانکہ حضرت خدیجہؓ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست کو رد کر چکی تھیں۔ (سیرت)

اس شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور بنی آدم کی بہبودی اور خیر اندیشی میں صرف ہوتا۔ انہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں سے مل کر قیام امن کے لئے ایک انجمن قائم کرادی، جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بن زہرہ شامل تھے، اور ایسے ایسے کاموں سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے بلکہ "الصادق" یا "الامین" کہہ کر پکارتے تھے۔ (سیرت مذکور)

چالیس برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی۔ آپ باون یا ترپن برس کے تھے کہ آپ کو معراج ہوئی، نبوت کے بعد تیرہ برس آپ مکہ شریف میں رہے، پھر جب کافروں نے بہت دق کیا، تو آخر خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور مدینہ شریف آتے ہوئے دوسرا سال تھا کہ بدر کی لڑائی ہوئی، پھر دوسری لڑائیاں ہوئیں، سب چھوٹی بڑی ملا کر چھتیس جنگیں ہوئیں۔

مشہور نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیبیوں سے ہوئے، دو بیبیاں آپ کے روبرو انتقال کر گئیں، اور آپ کی اولاد چار لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، اور ان سے چھوٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، اور ان سے

بیٹے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کی اولاد بکثرت پھیلی۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبک خیر الخلق کلهم

وعلی آلہ واتباعہ ایضا

بعثت سے سات برس پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی۔ اس میں کوئی صورت اور آواز نہ ہوتی تھی، بعد ازاں خلوت گزینی محبوب ہوئی تا آنکہ غار حرا میں اکیلے رہنے لگے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے، جب قمری اعتبار سے چالیس سال پر ایک دن زائد ہوا تو ۹ ربیع الاول دوشنبہ کے دن بحساب میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام خدا تعالیٰ کا حکم نبوت لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔ اس واقعہ کے بعد فوراً دولت خانہ میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ پھر طبیعت کو جب سکون ہوا تو فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس پر ہمدردی کے الفاظ عرض کر کے آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، الغرض ورقہ جھٹ بول اٹھا کہ وہ ناموس (جبرئیل) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ چند دنوں بعد فرشتہ آیا، خدا تعالیٰ کا کلام پاک یعنی سورۃ علق کی ابتدائی آیتیں سکھلائیں، اور حضورؐ کے سامنے وضو کیا، اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ روح الامین نے نماز پڑھائی، پھر دولت خانہ پر آ کر تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے، پھر چند ہی روز بعد حضرت بلالؓ، عمرو بن

منیب اور خالد بن سعد بن عاص مسلمان ہوگئے، اسی طرح اور بھی کچھ کچھ مسلمان ہوتے گئے، ان دنوں پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے، پھر سورۂ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں، اور آیت: "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" بھی قریب قریب نازل ہوئی، جس سے علانیہ تبلیغ رشتہ دار، احباب، شہر کے لوگ، اطراف کے، جملہ حصص عرب اور دنیا کی متمدن اقوام کی طرف آہستہ آہستہ وسعت پکڑتی گئی۔

تمام عالم کی حالت پہ تاریکی کا غلبہ تھا، بنی اسرائیل میں مسیح کی لعنت سے ظاہری شکل سے سوا آدمیت نام کی کوئی شے باقی نہ تھی، بلکہ ان پر ہمسایہ قوموں کی بت پرستی کا اثر بھی آچکا تھا، یورپ اور انگلستان میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا، اسی طرح فرانس میں پادریوں کے ایما سے بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں، سکسن قوم سے ۸۲ برس تک لڑائی جاری رہی، ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنہوں نے زن، زر، زمین کے وقف عام کر دینے سے اخلاق اور انسانی ترقیات کو ملیامیٹ کر دیا تھا، ہندوستان میں بھی مندروں میں مرد و زن کی برہنگی کی تماثیلیں بنا کر رکھی جاتی تھیں، چین میں بھی ہر کام کا بت جدا جدا مقرر تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی تھی جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے، اور علم اور تہذیب کے دعویٰ دار تھے، عرب کو بھی ان ممالک پر قیاس کر لیجئے، اور یہ بھی کہ صدیوں سے کسی بادشاہ کا تسلط نہ تھا، کسی قانون کا اثر تھا اور نہ کسی جماعت کا اثر تھا، اس بدترین حالت پر ارحم الراحمین نے اصلاحِ عالم کا آغاز اسی جگہ سے کرنا پسند فرمایا۔ پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنبے میں تبلیغ فرمائی، پھر وعظ میں سب مکہ والوں کو دعوتِ عام دی، جس پر ابولہب نے اپنی حماقت ظاہر کی، پھر منڈیوں اور میلوں میں تبلیغ فرمائی، اس پر قریش نے سخت مخالفتیں شروع کر دیں، ایذا رسانی کے

...الاول سنہ ١ ہجری کو جمعہ کے دن قبا سے سوار ہو کر بنو سالم کے گھروں تک پہنچے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا، وہاں جمعہ پڑھا، بعدہٗ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے، اور اس روز سے اس شہر کا نام مدینۃ النبیؐ ہوا۔ واقعہ عجیب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچے اور بوڑھے آپ کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم براہ تھے، انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے بچے اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

اشرق البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع

بزرگ انصار بل نے نبی اسلام کے فدائی اپنے مسلمان مہاجرین بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ ان کی مہمانی پر قرعہ اندازی ہوتی تھی، جس کا قرعہ نکل آیا، وہ نے جا کر اپنا سب مال آدھا تقسیم کر کے دے دیا، اور پھر رات دن خوش قسمتی پر شکر کرتے ہوئے خدمت پر مستعد رہتا تھا، اب جبکہ یہود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوش ہوئے، لیکن جب سنا کہ یہ نبی مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو سچا بتلاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھہراتے ہیں، تو سب دشمن ہو گئے، اسی طرح عیسائی بھی تمام منتظر تھے، لیکن جب سنا کہ عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل۔ ابنیت، تثلیث اور رہبانیت کا رد کرتے ہیں تو سب دشمن ہو گئے۔

واضح ہو کہ مدینہ میں مختلف نسلوں کے جو لوگ آباد تھے، اور ان کے مذاہب

بھی الگ تھے، یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصاً بہت طاقت ور تھے اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے بین الاقوامی اصول پر ایک معاہدہ کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف پر بھی قومیت کی وحدت قائم رہے، اور سب کو تمدن وتہذیب میں ایک دوسرے سے مدد و اعانت ملتی رہے، چنانچہ یہود اور اہل یثرب کے ساتھ معاہدہ کی کتاب لکھی گئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول)

اس معاہدے پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہوگئے، اس کے بعد گرد ونواح قبیلوں سے معاہدہ ہونے کا خیال فرمایا تاکہ تمام ملک میں خانہ جنگی و خون ریزی کا انسداد ہوجائے اور قریش بھی ان حلیف و معاہد اقوام کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کرسکیں گے، پہلے سال اسی غرض سے ودان تک سفر فرمایا، اور قبیلہ ضمرہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کرلیا۔ دوسرے سال ماہ ربیع الاول میں رضوی پہاڑ کی طرف گئے اور بواط کے لوگوں سے معاہدہ کیا۔ (زاد المعاد صفحہ ۳۴۴)

اسی سنہ میں ماہ جمادی الاخریٰ میں ذی العشیرہ جاکر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔

(زاد المعاد)

قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ دشمنی تھی کہ ۳۰۰ میل پر چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا، عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کی طرف جو کہ ہنوز بت پرست تھے، لکھ بھیجا کہ ہمارے شخص کو اپنے شہر سے نکال دو یا اس سے لڑو، ورنہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ ہم سب تم پر حملہ کریں گے، تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے، اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے، اس پر عبداللہ وغیرہ نے جنگ کا ارادہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی، تو مجمع منتشر ہوگیا۔ (ابوداؤد فی باب الخبر)

اس کے بعد قریش نے یثرب کے اندر یہودیوں سے سازش شروع کرلی۔

اور انہیں اپنے ساتھ کر کے دوبارہ پیغام بھیجا (کذا فی ابو داؤد فی باب خبر النضیر)
اس کے بعد ربیع الاول سنہ ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری نے چھاپہ مارا، مدینہ کے مویشی
لوٹ کر لے گیا، اس نے گویا اپنی عداوت کو ظاہر کیا، پھر رمضان سنہ ۲ھ میں ابوسفیان
نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ ہمارے قافلہ کو مسلمان لوٹیں گے، اس غرض سے کہ سب
لوگ جن کے اقرباء قافلے میں ہیں اور جن کا مال ہے با اتفاق جنگ پر تیار ہو جائیں،
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک خونخوار فوج، جس میں سات سو اونٹ
اور تین سو گھوڑے تھے، ابوجہل لے کر نکلا، جس قافلے کی حفاظت کے نام سے نکلا تھا،
وہ خیریت سے پہنچ گیا، مگر ابوجہل اس فوج کو لئے ہوئے برابر مدینہ کی طرف بڑھتا
چلا گیا، اب مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا، تو کل جمعیت جو سب ملا کر حضور صلی اللہ علیہ
وسلم بھی تین سو تیرہ مسلمان لے کر، جن کا سامان صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ
تھے، بدر پہنچے، نصرت الٰہی سے کافروں کے ستر مشہور آدمی اسیر ہوئے، اور ستر مارے
گئے۔ بعد ازاں صفوان نے عمیر بن وہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے
مدینہ بھیجا، لیکن وہ مدینہ میں مسلمان ہو کر مکہ واپس گیا۔

اسی سال تحویل قبلہ شریف ہوئی، زکوٰۃ فرض ہوئی، صدقۂ فطر، عیدین کی نماز
اور قربانی مقرر ہوئیں، اور اسی سال بدر سے واپسی سے ایک روز قبل آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ آپ نے اس کے بعد
دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا، اور
بدر کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ (نشر الطیب)

سنہ ۳ھ شوال میں قریش نے ملک بھر سے سامان چندہ کیا، چنانچہ شام کی
تجارت کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ بھی چندے میں شامل ہوئے،

الغرض پانچ ہزار بہادر افراد جن میں تین ہزار شتر سوار، دو سو گھڑ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ (پیدل) تھے۔ قریش ان سب کے ساتھ مدینہ کو بڑھے، دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سات سو مسلمانوں کے ساتھ احد تک پہنچے، مسلمانوں کو شکست ہوئی، بقیہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تک دوسرا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

اسی سال غزوۂ حمراء الاسد، سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ رجیع، قصہ عاصم و خبیب ہوا، اور واقعہ بیر معونہ محرم و صفر میں ہوا، اسی واقعہ بیر معونہ کے ایام میں غزوۂ بنی نضیر ہوا، جس میں یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر میں تشریف لائے اور دیت کے معاملے میں ان سے گفتگو کی، ان لوگوں نے آپ کو دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور اوپر سے پتھر ڈالنے کا مشورہ کیا، مگر آپ کو وحی سے اطلاع ہوگئی، آپ اٹھ کر مدینہ چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم نے نقضِ عہد کیا، یا تو دس دن کے اندر اندر نکل جاؤ، ورنہ لڑائی ہوگی، آخر وہ نکل گئے، اس کا کچھ قصہ سورۂ حشر میں ہے۔

اسی سال یا اگلے سال شراب حرام ہوئی، اور امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سنہ ۴ھ میں غزوۂ بدرِ ثانی ہوا، جس کو بدرِ صغریٰ اور بدرِ موعد بھی کہتے ہیں، اس میں جنگ نہیں ہوئی، اس کا قصہ چوتھے پارہ کے تیسرے ربع: "اِسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ" سے مذکور ہے، یہ واقعہ شعبان میں ہوا یا ذوالقعدہ میں۔ اسی سال امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سنہ ۵ھ ربیع الاول میں غزوۂ دومۃ الجندل اور شعبان میں غزوۂ مریسیع جس کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں، ہوا، اس غزوہ میں وہاں کے لوگ مقابل نہیں ہوئے مگر ان کے اہل و عیال مسلمانوں کے ہاتھ آئے، جس میں ام المومنین حضرت جویریہ بھی تھیں، اسی غزوہ سے واپسی پر قصۂ افک ہوا، اور اسی سال شوال میں غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، پیش آیا، مختلف قبائل نے مل کر دس ہزار کی فوج کے

ساتھ مدینے پر چڑھائی کی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی، آخرکار مخالف ناکام ہوئے، اور غزوۂ قریظہ بھی اس کے بعد ہوا، اور اسی زمانے میں ابورافع یہودی قتل کیا گیا، اس کے بعد غزوۂ عسفان ہوا، جس میں صلوٰۃ الخوف نازل ہوئی، اور اس کے بعد سریہ خبط جس پر ابوعبیدہؓ سپہ سالار تھے، اور جس میں عنبر مچھلی دریا سے ہاتھ آئی تھی، اس غزوہ کو سیف البحر بھی کہتے ہیں، اسی سال بقول بعض، آیت حجاب نازل ہوئی۔

سنہ ۶ھ میں غزوۂ بنی لحیان ہوا، جس میں لوگ بھاگ گئے، پھر سریہ نجد واقع ہوا جس میں ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے، اسی سال ذوالقعدہ میں غزوۂ حدیبیہ ہوا، جس میں اگلے سال کا وعدہ ہوا کہ آ کر عمرہ کریں، اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے اور اس معاہدے کی دس برس مدت ٹھہری کہ اس عرصے میں آپس میں لڑائی نہ ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں سے قریش اور قریش کے حلیفوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لڑیں گے، لیکن ہوا یہ کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں یعنی خزاعہ پر اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کی، اور فتح مکہ کا واقعہ مرتب ہوا، اسی سال سریہ زید بن حارثہؓ جموم (جو کہ ایک مقام کا نام ہے) کی طرف روانہ ہوا، جس میں کچھ قیدی اور مویشی ہاتھ آئے، اور اسی مہینے میں بنی عیص کی طرف روانہ ہوئے اور ابوالعاص بن ربیع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر قریش کا مال تجارت لئے ہوئے شام سے آ رہے تھے کہ وہ سب مال لے لیا گیا اور ابوالعاص نے مدینہ میں آ کر حضرت زینبؓ کی پناہ لی، اور مال واپس کرنے کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال مسلمانوں کی اجازت سے واپس کرا دیا، ابوالعاص یہ مال لے کر واپس مکہ گئے اور مکہ سے مسلمان ہو کر واپس آئے، مگر زاد المعاد میں اس قصے کو ابوبصیر کی طرف منسوب کیا ہے، اور اسی سال ماہ شعبان میں عبدالرحمٰن بن عوف کا سریہ دومۃ

انجدل کو بھیجا گیا، وہ لوگ مسلمان ہوگئے، اور اسی سال شوال میں عرنیین کا قصہ ہوا، جس میں وہ لوگ پکڑے گئے اور قتل کیے گئے، ان سب کے بعد حدیبیہ ہوا، پھر حدیبیہ کے بعد غزوۂ غابہ واقع ہوا، جس کا نام غزوۂ ذی قرد بھی ہے، یہ ایک تالاب ہے، اور غابہ، مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام ہے۔

غزوۂ حدیبیہ کے بیس دن بعد غزوۂ خیبر ہوا، اور فدک خیبر سے ملحق ہے، ان سے صلح ہوئی، من جملہ غنائم خیبر کے ام المومنین حضرت صفیہؓ بھی ہیں، اور خیبر کے ایام میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ دوسرے مہاجرین حبشہ کے ہمراہ وہیں تشریف لائے، اور خیبر ہی میں ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، اور اسی غزوہ میں گدھے کے گوشت کی حرمت ہوئی، اور متعہ کی ممانعت ہوئی، خیبر کے بعد وادی القریٰ کو فتح کیا، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی، اور ان کو ان کے مال پر قابض رکھا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور فدک والوں کو نکالا تھا، اور تیما اور وادی القریٰ والوں کو اس لئے نہیں نکالا کہ یہ مواضع شام میں ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آکر مدینہ میں رہے اور مختلف سرایا روانہ فرمائے، سریہ ابی بکر بجانب بنوکلاب، سریہ عمر بجانب ہوازن وغیرہ وغیرہ، اسی سال قحط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پانی برسا۔

سنہ ۷ھ: اسی سنہ کے ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرۃ القضا ہوا، راستہ میں ہی حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر مکہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور تیسرے دن حسب شرط مدینہ کو روانہ ہوئے۔

سنہ ۸ ہجری میں جمادی الاولیٰ کے مہینے میں غزوۂ موتہ ہوا، یہ شہر موتہ ارض شام میں ہے، حاکم شہر نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک حاکم بصریٰ کے پاس لے جا رہے تھے،

قتل کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا لشکر بھیجا، جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنایا گیا۔ وہ بھی شہید ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنایا گیا، وہ بھی شہید ہوئے تو حضرت خالد بن ولید نے قیادت سنبھالی اور حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ پر ہی فتح ہوئی۔ اسی سال جمادی الاخریٰ میں ذات السلاسل ہوا اس میں لشکر اسلام ایک پانی پر ٹھہرا جس کا نام سلسل تھا اسی سے اس کا نام ذات السلاسل ہو گیا، اور وجوہ بھی بیان کی ہیں۔ پھر اسی سال غزوہ ذات الرقاع ہوا۔

اسی سال رمضان میں مکہ فتح ہوا۔ اور یہ اعظم فتوح، مدار اعزاز اسلام اور حفاظت شعائر دین ہے۔ جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ بنی بکر نے خزاعہ پر شب خون مارا، اور قریش نے ان کی مدد کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اس عہد شکنی پر لشکر کشی فرمائی اور فتح حاصل کی، اور کعبہ میں موجود بت خانے کو منہدم کیا، اور بعض بت جو نواح مکہ میں تھے ان کے مٹانے کے لئے سرایا روانہ فرمائے: حضرت خالد کو عزیٰ بت ڈھانے کے لئے جو قریش اور بنی کنانہ کا بت تھا، اور حضرت عمرو بن العاص کو سواع کی طرف جو ہذیل کا بت تھا، اور سعد بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف جو قدید کے قریب اوس، خزرج اور غسان وغیرہم کا بت تھا روانہ کیا۔

پھر فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین ہوا جس کو غزوہ اوطاس بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد شوال کے مہینے میں طائف کا محاصرہ کیا، فتح سے پہلے ہی واپس آ گئے مگر بعد میں یہ لوگ خود حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ پھر اسی سال محرم کے مہینے میں بنی تمیم کی طرف چند سوار بھیجے، وہ لوگ مقابلے سے بھاگ گئے، اور کچھ مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں، ان کے نمائندے مدینہ حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ اسی سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، اور آپ کی صاحبزادی

حضرت زینبؓ نے وفات پائی۔

سنہ ۹ھ: اسی سال بنی کلاب کی طرف لشکر بھیجا گیا، کفار کو ہزیمت ہوئی، اور علقمہ بن مجزز مدلجیؓ کا سریہ ساحل جدہ کی جانب روانہ فرمایا، یہاں حبشہ کے کچھ لوگ آکر جمع ہو گئے تھے، جب مسلمان وہاں پہنچے تو کفار بھاگ گئے اور حضرت علیؓ کو قبیلہ طے کے بت خانہ کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا، حاتم کے بیٹے عدی بھاگ گئے اور اس کی بہن قید ہوئی، اور پھر رہا کر دی گئی، اس کی تعریف سے پھر عدی آکر مسلمان ہو گیا، پھر رجب میں غزوۂ تبوک ہوا، اس کو غزوۂ عسرۃ بھی کہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم آپ پر لشکر لاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک پر پہنچے، ہرقل نے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر برحق سمجھتا تھا، مارے ڈر کے ادھر کا رخ نہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے، اسی زمانے میں مسجد ضرار کے گرانے کا قصہ ہوا، جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا"۔ اسی سال حج فرض ہوا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوات کے اہتمام کے سبب اس سال خود حج پر تشریف نہ لے جا سکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر کر کے مکہ روانہ کیا، اور سورۂ براءت کے سنانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں روانہ کیا، اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کو تشریف لے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتیں فرمائیں جیسے کوئی الوداع کہنے والا بوقت وداع کرتا ہے، اسی لئے یہ حج "حجۃ الوداع" کہلاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ آدمی سے زائد حاجی تھے، عرفہ کے دن آیت: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ... الخ" نازل ہوئی، حج سے واپسی پر ایک منزل غدیر خم میں تاکید محبت حضرت علیؓ پر ایک

خطبہ ارشاد فرمایا، کیونکہ یمن کے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی بے جا شکایتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھیں، پھر مدینہ منورہ میں تشریف لاکر ہدایت و ارشادِ خلق، عبادتِ خالق میں مشغول ہوئے، اور ربیع الاول میں سفرِ آخرت کو اختیار فرمایا۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز دوشنبہ کو قمری حساب سے ۶۳ سال اور ۵ دن کی عمر میں اور شمسی سال کے حساب سے ۶۱ سال اور ایک یوم کی عمر میں بوقت چاشت مطابق ۳ رجون ۶۳۲ء جسمِ اطہر سے روحِ انور نے پرواز کی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اور مدتِ تبلیغِ رسالت آٹھ ہزار ایک سو چھبیس دن ہیں، اور مدتِ قیامِ نبوی بعالمِ دنیوی بائیس ہزار تین سو تیس دن اور چھ گھنٹے ہیں۔ (سیرت رحمۃ للعالمینؐ ج:۱ ص:۲۵۲،۲۵۳)

اس کے بعض مضامین نشر الطیب فی ذکر الحبیب لمولانا مولوی اشرف علی تھانوی سے، اور بعض کتاب سیرت رحمۃ للعالمینؐ، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سے ماخوذ ہیں۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فصل:

آپ کے بعض شمائل، اخلاق اور عادات:

شمائل ترمذی اور شفاء قاضی عیاضؒ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

میں نے اپنے ماموں ہند بن ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضورؐ کے اوصاف کا بکثرت ذکر کیا کرتے تھے، پس انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ذات میں) عظیم تھے، (نظروں میں) معظم

کو پوچھتے، ہر کام کو ایک قاعدے سے کرتے، یہ نہیں کہ کبھی کچھ کر دیا اور کبھی کچھ، اگر بات کے سننے والے بہت ہوتے تو باری باری سب کی طرف منہ پھیر کر توجہ فرماتے، سب کے ساتھ ایسا برتاؤ فرماتے کہ ہر شخص یوں سمجھتا کہ مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب کے ساتھ عام تھے، گھر میں جا کر آرام کے لئے مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے، گھر کے بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کرتے، کہیں بکری کا دودھ نکال لیتے، کبھی اپنے کپڑے صاف کر لیتے، اپنا کام اکثر اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کرتا تو اس کو معاف فرماتے، اپنے ہاتھ سے کسی غلام، خدمت گار کو، عورت کو بلکہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا۔ ہاں! شریعت کے حکم کی سزا دینا اور بات ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زیادتی کرتا تو اس کا بدلہ نہ لیتے، کسی سے فحش بات نہ کرتے، کسی کے عیب کی کھود کرید نہ فرماتے، وہی بات منہ سے نکالتے جس میں ثواب ملتا ہے، کسی کو اپنی تعریف نہ کرنے دیتے (یعنی اکثر یہ قاعدہ تھا)، بات اور برتاؤ میں سختی نہ فرماتے، سارے آدمیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوش اخلاق تھے، پردیسی آدمی کی بے تمیزی کی گفتگو پر تحمل فرماتے، اگر کسی سے کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف ہوتی تو تغافل (چشم پوشی) فرماتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جلیس ہم نشین اس طرح سر جھکا کر بیٹھتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہوں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت ہوتے تب وہ لوگ بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو شخص بولتا، اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے، یعنی بات کے بیچ میں کوئی نہ بولتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس علم، حلم، حیا، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی، اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتیں، کسی کی حرمت پر داغ نہ لگایا

جو تا، اور کسی کی غلطیوں کی اشاعت نہ کی جاتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ مجلس ایک دوسرے کی طرف تقویٰ کے سبب متواضع مائل ہوتے تھے، اس میں بڑوں کی توقیر ہوتی، اور چھوٹوں پر مہربانی کرتے تھے، صاحبِ حاجت کی اعانت کرتے تھے، اور بے وطن پر رحم کرتے تھے، جب کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی وہاں ہی بیٹھ جاتے، اور دوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے، جو شخص کسی ضرورت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیٹھ جاتا یا کھڑا رہتا، تو جب تک وہی شخص نہ ہٹ جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ قائم رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا سب ذکر اللہ کے ساتھ تھا، اور اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی ایسی جگہ معین نہ فرماتے کہ خواہ مخواہ اسی جگہ بیٹھیں، اور اگر کوئی اور وہاں بیٹھ جائے تو اس کو اٹھادیں، اور دوسروں کو بھی جگہ معین کرنے سے منع فرماتے، نہ درشت گو تھے، نہ سخت خو تھے، نہ چلا کر بولتے، نہ نامناسب بات فرماتے، اور نہ مبالغہ کے ساتھ کسی کی مدح فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ روئی اور خوش خوئی تمام لوگوں کے لئے عام تھی، گویا جانے ان کے باپ کے ہو گئے تھے یعنی ان کے باپ کی جگہ تھے، اور تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حق میں فی نفسہ مساوی تھے، البتہ تقویٰ کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے تھے، ورنہ دوسرے امور میں سب باہم مساوی (برابر) تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، گویا آپ کے چہرہ میں آفتاب چل رہا ہو، اور جب آپ چلتے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مثل تلوار کے شفاف تھا؟ انہوں نے کہا نہیں! بلکہ آفتاب اور مہتاب کی

مشکل تھا، اور مدور تھا۔

حضرت اُمِ معبد رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے زیادہ جمیل اور نزدیک سے زیادہ شیریں و حسین معلوم ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عنبر، مشک اور کوئی خوشبودار چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی، کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی، اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، اسی لئے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔ ابوبکر بن سابق مالکی اور ابونصر نے اس کو نقل کیا ہے۔ مالک بن سنان یوم احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو قدرتی طور پر ختنہ شدہ اور سرمہ لگے ہوئے تھے، اور ماں کے بطن سے جب باہر آئے تو آلودگی سے پاک تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند فرماتے تھے اور سونے میں خراٹے بھی لینے لگتے تھے، مگر بدون وضو کئے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے، یعنی سونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح کہ روشنی میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے ایسا دیکھتے تھے جیسا کہ قریب

ہے، اور فرمایا کرتے تھے کہ غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں اور غلاموں کی طرح کھاتا
ہوں۔ اور اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میلی موٹی قمیص اور گاڑھی چادر پہنتے تھے،
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور ناخوشی قرآن پاک کے تابع تھی، یعنی جس بات سے
حق تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اس سے خوش ہوتے تھے۔ اور جس سے ناخوش ہوتے ہیں
اس سے ناخوش ہوتے تھے، "کان خلقہ القرآن"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلام، آزاد، لونڈی اور غریب سب کی دعوت قبول
فرما لیتے، اور ہدیہ قبول فرماتے، اگرچہ قلیل ہی ہوتا، کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں
پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے، اور نہایت تواضع سے دراز گوش پر بھی سوار ہوتے
تھے، اور کبھی اپنے پیچھے بھی بٹھا لیتے، اور اپنے کپڑے میں جوڑ پیوند لگا لیتے اور اپنی
پاپوش کو خود ہی سیا کرتے، اور گھر میں جھاڑو دے لیا کرتے، اور خدمت گار کے ساتھ
کھانا کھا لیتے، اور اپنا سودا بازار سے خود ہی لے آتے، اور اپنے خادم کے ساتھ آٹا
گندھوا لیتے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اولاد آدم کا سردار
ہوں اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت فصاحت سے کلام فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کوئی
شمار کرنے والا الفاظ کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔ اور سونے سے پہلے ہر آنکھ میں
تین تین سلائی سرمہ لگاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین کف تک ہوتی تھی، اور
آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تھے تو اس کے شملہ کو دونوں شانوں کے
درمیان چھوڑ دیتے تھے، اور کبھی بے شملہ عمامہ باندھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کبھی کلاہ بدون عمامہ کے اور کبھی عمامہ بدون کلاہ کے باندھتے تھے، اور کبھی کلاہ عمامہ
کے نیچے ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا اکثر جو کی روٹی ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرکہ، روغن زیتون، شیریں چیز، شہد اور کدو کو پسند کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عوارضِ بشریہ کا ظہور ہوا ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب مضاعف (دوہرا) ہو اور درجات بلند ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض بھی ہوا، اور درد وغیرہ کی شکایت بھی ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرمی اور سردی کا اثر بھی ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو بھی کیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا بھی کی، پچھنے بھی لگوائے، جھاڑ پھونک کا استعمال بھی کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی دیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ اور ہر آن میں دشمنوں کی جانب سے قتل کے مواقع اور ہلاکت کی تدبیروں سے محفوظ رکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبل ثور میں تشریف لے گئے، اس وقت قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور غورث بن حارث کی تلوار، ابوجہل کے پتھر، سراقہ بن مالک کے گھوڑے، لبید بن اعصم کے سحر اور یہودیہ کے زہر کے اثر وغیرہ سے محفوظ رکھا، اور ان جسمانی تکالیف میں یہ حکمت بھی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جسمانی تکالیف نہ آتیں تو شاید کسی کو آپ پر آپ کے کمال اور معجزات دیکھ کر الوہیت کا شبہ ہو جاتا، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں خوارق عجائب کے باعث بعض لوگ ضلالت میں پڑ گئے۔ رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک کی حالت! سو وہ تعلق بالخلق سے منزہ تھی، اور مشاہدۂ حق میں مشغول تھی، کیونکہ آپ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ ہی کے ساتھ، اللہ ہی کے واسطے، اللہ ہی میں مستغرق تھے، اور اللہ ہی کی معیت میں تھے، حتیٰ کہ کھانا پینا، پہننا، حرکت و سکون، بولنا، خاموش رہنا، سب اللہ ہی کے واسطے اور اللہ ہی کے حکم سے تھا، اور آپ نفسانی خواہش سے کچھ نہیں

بولتے تھے۔ "وما ینطق عن الھویٰ، ان ھو الا وحی یوحیٰ"۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وأزواجه

وأصحابه وأتباعه إلى يوم الدين، آمين!

(خصائل، اخلاق اور عادات کی یہ فصل بہشتی زیور اور شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب سے لی گئی ہے، اور اس کے دلائل کا ثبوت اسی میں مصرح ہے، یعنی شیم الطیب میں)۔

فصل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات:

اگر نظر صحیح سے کام لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حیطۂ ادراک و احصاء (گنتی) سے متجاوز ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول، ہر فعل، ہر حال باعتبار تضمن حِکَم، مصالح اور اسرار کے خارقِ عادت ہے، اور ظاہر ہے کہ اقوال، افعال اور احوال کی تمام جزئیات کا حصر عادتاً ناممکن ہے، اور یہ واقع ہوتے ہیں، پھر ان حکمتوں کا تفصیلی علم عرفاء و ورثائے الٰہی کے صدور و قلوب میں القا ہوتا ہے، اور ان کا اجمالی تذکرہ کتب اسرارِ شریعت میں، جیسے: امام غزالی، امام شعرانی اور شاہ ولی اللہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں جستہ جستہ پایا جاتا ہے: تو اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حد و شمار سے خارج ہو گئے، لیکن چونکہ ان کا ادراک عوام کا حصہ نہیں ہے، اس لئے اس سے قطع نظر کرکے صرف ان ہی خوارق پر اکتفا کیا جائے جو نظر ظاہر و عامی میں بھی خارق ہیں، تو وہ بھی دس ہزار سے کم نہیں، چنانچہ سات ہزار سات سو معجزات پر تو صرف قرآن مجید اپنی بلاغت کے ضمن سے مشتمل ہے، قطع نظر اس کے وہ اخبار من الغیبات پر بھی مشتمل ہے، محدثین و اہل سیر نے اپنے علم کے

تھی، جبکہ ابھی ان کی شہادت کی خبر نہیں آئی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ نشان (جھنڈا) لیا زید نے پس شہید ہوا، پھر نشان لیا جعفرؓ نے پس شہید ہوا،
پھر نشان لیا ابن رواحہؓ نے پس شہید ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو
جاری تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر کو ایک خدا کی تلوار (حضرت
خالدؓ) نے نشان لیا اور فتح حاصل ہوئی (پھر اسی کے مطابق خبر آئی)۔

عالم ملائکہ میں معجزہ:

۴۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر
کے دن مسلمانوں کا ایک شخص مشرکوں کے ایک شخص کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ ناگاہ
اس نے ایک کوڑا مارنے اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: بڑھ اے حیزوم! سو
یہ دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے آگے چت پڑا ہے، اور کوڑے کی وجہ سے اس کی
ناک ٹوٹ گئی ہے اور منہ پھٹ گیا ہے، اور یہ سب کچھ سبز ہو گیا ہے۔ وہ شخص
مسلمان اور انصاری تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ
کو بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے، یہ تیسرے آسمان کی
مدد میں کا فرشتہ تھا۔

فائدہ... حیزوم فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے۔

فائدہ... اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے
اکثر غزوات میں فرشتوں کو بھیجا، چنانچہ بدر، احد اور حنین میں فرشتوں نے مدد کی۔

۵۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت عمار بن
یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں

دکھا دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ دیکھ سکو گے، انہوں نے کہا: آپ دکھا دیجئے، تب آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گئے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کعبہ پر اترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا: نگاہ اٹھاؤ، انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قدم زبرجد اخضر یعنی چمکتے ہوئے سبز زمرد کی طرح تھا، سو حضرت حمزہؓ غش کھا کر گر گئے۔

عالمِ انسان میں معجزہ:

۶.... ظہورِ ہدایت: جیسے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا تھا، اور وہ مشرکہ تھی، ایک دن میں نے اس سے اسلام لانے کے لئے کہا، تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا کلمہ کہا، جو مجھے ناگوار ہوا، اور میں روتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور میں نے کہا: اے رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ خدا تعالیٰ میری ماں کو ہدایت دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰھم اھد ام ابی ھریرۃ" یا اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سن کر خوش ہوتا ہوا اپنے گھر آیا، دیکھا تو دروازہ بند تھا، اتنے میں میری ماں نے میرے پاؤں کی چاپ سن کر کہا کہ ابوہریرہؓ وہیں ٹھہرا رہ، اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، میری ماں نے نہا کر اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کہا: "اے ابوہریرہؓ! اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ"۔ میں خوش ہو کر شدتِ خوشی سے روتا ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا اور اپنی ماں کے اسلام لانے کی خبر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمدِ الٰہی بجا لائے۔

۷.... ظہورِ برکت: جیسے بیہقی نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حنظلہ بن حذیم کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان کے حق میں برکت کی دعا کی، سو اس کے بعد ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اگر کسی آدمی کے منہ میں ورم ہوتا یا کسی بکری کے تھن میں ورم ہو جاتا اور ورم والی جگہ کو حضرت حنظلہ کے سر کے اس حصے پر لگا دیا جاتا جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ لگایا تھا تو ورم جاتا رہتا۔

۸... شفائے مرض: جیسے بیہقی، طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حبیب بن فدیک کے باپ کی آنکھ میں پھلی پڑ گئی اور وہ بالکل اندھے ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر دم کیا، اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہو گئیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے اسی برس کی عمر میں انہیں سوئی میں ڈورہ ڈالتے دیکھا۔

۹... قہر بے ادباں: جیسے امام مسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدھے ہاتھ سے کھا، اس نے کہا کہ میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، حالانکہ اس کا سیدھا ہاتھ اچھا تھا، مگر اس نے سراسر محض از روئے بے باکی و استنکاف (داہنے ہاتھ سے کھانے کو ننگ و عیب جان کر) یہ بات کہی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو سیدھے ہاتھ سے نہ کھا سکے گا! اس کا ایسا ہی حال ہو گیا کہ اس کا سیدھا ہاتھ اس کام سے جاتا رہا، چنانچہ منہ تک ہاتھ نہیں پہنچا سکتا تھا۔

عالمِ جن میں معجزہ:

۱۰... خطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ: ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے،

سادات کو مٹے کرنا افلاک کے متعلق صریح اور عظیم معجزے ہیں۔

عالمِ سفلی: خاک میں معجزہ:

۱۴:... عناصر متعلق خاک: جیسے صحیحین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سفرِ ہجرت میں سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا، سو میں نے اُسے دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! ہمیں ایک شخص نے دیکھ لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا" یعنی غم مت کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کے لئے بددُعا کی، سو اس کا گھوڑا سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گیا، اور اس نے کہا کہ: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں صاحبان نے میرے لئے بددُعا کی ہے، اب دُعا کرو کہ میں نجات پاؤں، اور میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے طلب کرنے والوں کو میں پھیر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نجات کے لئے دُعا کی، سو اس نے نجات پائی اور پھر گیا، اور جو کوئی اس سے ملتا تھا اُسے پھیر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ: ادھر کوئی نہیں۔

آب میں معجزہ:

۱۵:... پانی سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حدیبیہ میں لوگوں کو پیاس لگی، جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لوٹا تھا جس سے کہ آپ نے وضو کیا، سب لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے لشکر میں پینے کے لئے پانی ہے اور نہ وضو کے لئے، بس اسی قدر پانی ہے جو آپؐ کے اس لوٹے میں بچ رہا ہے، (کیونکہ حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی قلت کی وجہ سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا تھا، جو کچھ تھا سب کھینچ لیا گیا تھا، رواہ البخاری) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو لوٹے میں رکھا اور

پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے جوش مارنے لگا سو ہم سب آدمیوں نے پانی پیا اور وضو کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: تم سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر لاکھ آدمی ہوتے تو کفایت کر جاتا! (یعنی پانی اتنا کثیر تھا) مگر ہم پندرہ سو آدمی تھے۔

آش میں معجزہ:

۱۴:... آش سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: خندق کے دنوں میں انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لئے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، اور ایک صاع (یعنی تین سیر سے کچھ زائد) جو کا آٹا تیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چپکے سے آکر اس کی اطلاع کی، اور عرض کیا کہ: آپ مع چند آدمیوں کے تشریف لے چلیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل خندق کو، جو ایک ہزار تھے، پکار کر جمع کرلیا اور ساتھ لے چلے، اور حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ: ہانڈی مت اُتارو، اور آٹے کو مت پکانا، جب تک میں نہ آؤں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوندھے ہوئے آٹے اور ہانڈی میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اور پکانے والی بلاؤ، اور ہانڈی میں سے شوربا نکال نکال کر دو، ہانڈی کو چولھے پر سے نہ اُتارو، جابرؓ کہتے ہیں کہ: کھانے والے ہزار آدمی تھے، خدا کی قسم! سبھوں (تمام لوگوں) نے کھایا، مگر ہماری ہانڈی ویسی ہی جوش میں رہی جیسے پہلے تھی، اور آٹا بھی اتنا ہی رہا، جتنا پہلے تھا۔

فائدہ:... اس سے عاقلؔ آش میں بھی ایک خرقِ عادت امر ظاہر ہوا کہ آگ کا شوربے میں وہ اثر ظاہر نہیں ہوا کہ آگ سے شوربا کم ہوجائے، بلکہ اس کے

ہلاک ہوگیا اور عیال بھوکوں مر رہے ہیں، آپ مینہ کے واسطے دُعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھائے، اور اس وقت آسمان پر اَبر کا کوئی ٹکڑا نہ تھا، خدا کی قسم! کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھنے نہیں پائے تھے کہ پہاڑوں کی مانند ہر طرف سے اَبر گھر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترنے نہیں پائے تھے کہ ریش مبارک سے مینہ کے قطرات گرنے لگے، سو اس دن سے دُوسرے جمعہ تک مینہ برسا۔ پھر جمعہ کے دن وہی اعرابی نے یا کسی دُوسرے شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ: مکانات گر پڑے، اور مال ڈوب گیا، آپ دُعا فرمایئے کہ مینہ تھم جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھاکر دُعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے اور ہم پر نہ برسے۔ اور جدھر اَبر کی طرف آپ نے اشارہ کیا وہیں کھل گیا۔ سو مدینہ پر پانی کا برسنا تو بالکل موقوف ہوگیا اور مدینے کے اردگرد برستا رہا۔ اطراف سے جو لوگ آتے تھے، مینہ کی کثرت بیان کرتے تھے۔

فائدہ:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے اَبر کا فوراً اُٹھ آنا اور اشارہ سے اَبر کا ہٹ جانا، ان دونوں میں تصرفِ سحاب کا ظہور ہے۔

۱۹:... جیسے صاعقہ میں: جس کو کتابین میں نسائی، ابن جریر اور بزار کی طرف منسوب کرکے نقل کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے پاس کسی کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کہا کہ رسول اللہ کون ہوتے ہیں؟ اللہ کیسا ہوتا ہے؟ سونے کا یا چاندی کا یا تانبے کا؟ معاً اس پر بجلی گری اور اس کی کھوپڑی اُڑادی۔

فائدہ:... ظاہر ہے کہ اس واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کو بھی دخل ہے، اس اعتبار سے صاعقہ میں معجزے کا ظہور ہے، جو کہ کاشفِ حق سے ہے۔

عالمِ جمادات اور عالمِ نباتات میں معجزہ:

۲۰:... امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بعض اطراف کی طرف نکلے، اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا، سو جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"۔

فائدہ:... چونکہ پہاڑ، جمادات میں سے ہیں، اور درخت، نباتات میں سے، سو دونوں میں معجزہ کا ظہور ہوا۔

۲۱:... صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت مسجد کے ایک ستون پر جو کہ کھجور کے درخت کا تھا، تکیہ لگا لیتے تھے، جب منبر بنا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ پڑھنا شروع کیا، یکبارگی وہ ستون چلا کر زور سے رونے لگا، قریب تھا کہ پھٹ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور اس ستون کو اپنے بدن مبارک سے چمٹا لیا، سو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لینے لگا، جس طرح وہ بچہ ہچکیاں لیتا ہے جس کو رونے سے چپ کرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا رونا تھم گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: چونکہ یہ ہمیشہ ذکر سنا کرتا تھا، اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

فائدہ:... یہ ستون باعتبار اصلی حالت کے نباتات میں سے تھا، اور باعتبار موجودہ حالت کے جمادات میں سے، پس اس معجزہ کو دونوں قسموں سے تعلق ہے، اور اس کے رونے میں جس طرح مفارقت کو دخل ہے، اسی طرح مفارقتِ ذکر یعنی ذاتِ مقدسہ نبویہ کو بھی، ورنہ سینے سے لگانے سے خاموش نہ ہوتا، پس اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

کے سوا جتنی چیزیں آسمان وزمین میں ہیں، سب جانتی ہیں کہ میں رسول خدا ہوں۔

۲۴۔ بیہقی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں دریائے شور میں تھا، جہاز ٹوٹ گیا، تو میں ایک تختے پر بیٹھ گیا، بہتے بہتے ایک نیستان (جنگل) میں پہنچا، جہاں مجھے ایک شیر ملا، جب وہ میری طرف آیا، تو میں نے کہا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، پس وہ شیر میری طرف جھکا اور اپنا کندھا میرے بدن پر مارا، اور میرے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ مجھے راہ پر کھڑا کردیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کچھ ہلکی سی آواز نکالتا رہا، اور میرے ہاتھ سے اپنی دم مس کی، تو میں سمجھا کہ مجھے رخصت کر رہا ہے۔

فائدہ... پہلا قصہ مأکول جانور کا تھا، اور یہ غیر مأکول کا ہے، وہ حیات میں تھا اور یہ بعد وفات کا قصہ ہے، جس میں یہ اعجاز قوی تر ہے۔ کیونکہ وفات کے بعد دوسرے قوی کی قاطعیت کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔

۲۵... بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا ایک پیالہ گھر میں پایا، حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلالو، چونکہ ابوہریرہؓ بھوکے تھے، انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر مجھے دیتے تو میں سیر ہوکر پیتا، فرماتے ہیں کہ بہرحال میں نے ان سب کو بلالیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہیں دودھ پلاؤ، میں نے دودھ پلانا شروع کیا، یہاں تک کہ سبھوں نے سیر ہوکر پیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ تم پیو! میں نے پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور پیو! میں پیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ اب پیٹ میں جگہ نہیں! پھر باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔

فائدہ... یہ اجزائے حیوان میں معجزہ کا ظہور ہوا۔

یہاں تک نشر الطیب میں بالفاظ ہا مذکور ہے۔

یا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلہم
وعلی آلہ واتباعہ ابدا

فصل:

آپ کے بعض خصائص:

منقول از نشر الطیب فصل ۴۴، یعنی ان امور میں جو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا فرمائے، اور وہ چند قسم ہیں:

دنیا میں تشریف لانے سے پہلے کی خصوصیات:

ایک قسم ان امور کی ہے جو دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں پائے گئے، مثلاً:

۱... سب سے اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کا پیدا ہونا۔

۲... سب سے اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہونا۔

۳... یوم میثاق میں سب سے اول "الست بربکم" کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "بلیٰ" فرمانا۔

۴... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش پر لکھا جانا۔

۵... خلق عالم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ہونا۔

۶... پچھلی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت و فضیلت کا ہونا

۷... حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ

اسلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل ہوتے، جیسے کہ حاکم، بزار، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں تصریح ہے اور نشر الطیب کی فصل اول اور دوم میں بھی اس قسم کی کچھ روایات مذکور ہیں۔

دنیا میں تشریف لانے کے بعد کی خصوصیات:

دوسری قسم کے امور وہ ہیں جو دنیا میں تشریف آوری کے بعد اور نبوت سے پہلے ظاہر ہوئے، مثلاً:

۱... مہر نبوت کا شانہ پر ہونا۔
۲... کسریٰ کے محل میں زلزلہ آنا۔
۳... بحیرہ طبریہ کا دفعۃً خشک ہو جانا۔
۴... فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا۔
۵... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو ایسا نور نظر آنا کہ جس سے انھوں نے شام کے محلات کو دیکھا، وغیرہ ذالک۔

یہ روایات مواہب لدنیہ اور فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہیں اور نشر الطیب کی چھٹی فصل میں بھی موجود ہیں۔

نبوت کے بعد ملنے والی خصوصیات:

تیسری قسم ان امور کی ہے جو نبوت کے بعد ظاہر ہوئے۔ اور وہ ذات مبارک کے ساتھ مختص ہیں، مثلاً:

۱... معراج اور اس میں عجائب ملکوت، جنت و دوزخ پر مطلع ہونا۔
۲... حق تعالیٰ کو دیکھنا۔
۳... کہانت کا منقطع ہونا۔

۳... تہجد کا مشروع ہونا۔

۴... اذان و اقامت کا مقرر ہونا۔

۵... نماز میں ان کی صفوف کا بطرز صفوف ملائکہ ہونا۔

۶، ۷... جمعہ کی ایک خاص عبادت اور ساعت اجابت کے لئے مقرر ہونا۔

۸... روزہ کے لئے سحری کی اجازت۔

۹... رمضان میں شب قدر۔

۱۰... ایک نیکی کریں تو ادنیٰ درجہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ثواب کا ملنا۔

۱۱... وسوسہ، خطا و نسیان کا معاف ہونا (جبکہ پچھلی امتوں میں ان کے اسباب کا تدارک بھی واجب تھا اور ان کی اقسام سے یہ اس امت کے ساتھ خاص ہوا)۔

۱۲... احکام شاقہ کا مرتفع ہونا۔

۱۳، ۱۴... تصویر و مسکرات کا ناجائز ہونا (کیونکہ یہ بے شمار مفاسد کا مبدا ہے اور مفاسد سے بچانا رحمت ہے جیسا کہ عقل جید تسہیل کا مقتضی ہے)۔

۱۵... اجماع امت کا حجت ہونا اور اس میں ضلالت کا احتمال نہ ہونا۔

۱۶... فروعی اختلاف کا رحمت ہونا۔

۱۷... امم سابقہ کے سے عذاب نہ آنا۔

۱۸... طاعون کی موت کا شہادت ہونا۔

۱۹... علماء سے دین کا وہ کام لیا جانا جو انبیاء کیا کرتے تھے۔

۲۰... قرب قیامت تک جماعت اہل حق کا مؤید من اللہ ہو کر پایا جانا۔

وغیر ذالک۔

برزخ کے بعض فضائل کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ ہیں:

برزخ کے متعلق بعض فضائل یہ ہیں کہ:

ا:... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

۲:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں، اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، یعنی کھاتے پیتے ہیں، اور یہ زندگی اور مرزوقیت، شہداء کی زندگی اور رزق دیئے جانے سے اکمل و اقویٰ ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

۳:... تمام انبیاء علیہم السلام قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔

فائدہ:... یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لئے ہے۔ اور یہ رزق اُسی عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

۴:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک سے سلام خود سنتے ہیں، اور دور سے بذریعہ ملائکہ سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ تو دائماً ثابت ہے۔ جبکہ احیاناً بعض خواص اُمت سے یقظہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور ہدایت فرمانا آثار و اخبار میں مذکور ہے، اور حالت رؤیا و کشف میں تو ایسے واقعات بے شمار ہیں۔ اور ہیک وقت ان مشاغل کے اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو، پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے، مگر اس وسعت سے اُمور غیر ثابتہ بالدلیل الخ یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت دائماً یا ثابت احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا، خوب سمجھ لو!

۵... اور ہر روز ستر ہزار فرشتے قبر مبارک پر آتے ہیں، اور قبر مبارک کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کر لیتے ہیں، اور درود پڑھتے ہیں، اور پھر شام کو اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور دوسرے فرشتے اسی طرح آسمان سے اترتے ہیں، اور ایسا ہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ جب قیامت کے دن قبر کی زمین شق ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے چلیں گے۔ (رواہ الدارمی)

یہ سب مضامین نشر الطیب سے مختلف مقامات سے لئے گئے ہیں، اور بعض ایک ہی فصل سے لئے گئے ہیں۔

صلی علیک اللہ آخر دھرہ متفضلا
منجز الرجا لک الموعود من احسانہ

فصل:

دعا میں آپؐ کے ساتھ توسل کرنا:

گو جس طرح درود شریف قربت مقصودہ ہے، یہ توسل قربت مقصودہ نہیں، مگر صرف ایک خاصیت میں درود شریف کا ہم اثر ہے کہ دونوں دعا کے اقرب الی الاجابۃ ہونے کا سبب ہیں، اور گو بعض نے اس مسئلے میں اختلاف بھی کیا ہے، مگر جمہور کا مسلک اس کے جواز کا ہے، بشرطیکہ حدود شرعیہ کو محفوظ رکھے، اس لئے مذہب منصور یہی ہوا، سنن ابن ماجہ میں باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ: ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: دعا

کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں، اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کروں، اس نے عرض کیا کہ: دعا ہی کردیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ نہایت اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور یوں دعا کرو:

"اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، بوسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں، تاکہ وہ پوری ہو، اے اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔"

انجاح الحاجہ میں ہے کہ: اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے، اور ترمذی نے "حسن صحیح" کہا، اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، اور اس میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ: "وہ کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا۔" (نشر الطیب)

طبرانیؒ نے کبیر اور اوسط میں اس روایت کو ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں ابن صالح بھی ہے، اور ابن حبان اور حاکمؒ نے اس کی توثیق کی ہے، اس میں ایک گونہ ضعف ہے مگر ایسے ابواب میں مضر نہیں۔ (نشر الطیب)

فائدہ:... اس سے صراحۃً توسل ثابت ہے، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کی دعا کا جواز ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: اے اللہ! فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے، اور مورد رحمت سے محبت و اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے، اور ہم اس

سے محبت اور اعتقاد رکھتے تھے، جن پر حق تعالیٰ رحمت فرمائے۔ اور توسل بالاعمال میں بھی
تھوڑے سے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ یہ اعمال آپ کے نزدیک موجب رحمت ہیں،
اور ان کا عامل بھی مرحوم ہے، اور ہم نے یہ عمل کئے تھے پس ہم پر رحمت فرما۔ اور
اس معنی کو ”یا محمد“ کا لفظ ادا کرتا ہے، اس سے توسل بالقول اور نفی اشیاء ثابت ہوتا
ہے، اور توسل بالقول بعد وفات بھی طبرانی کی مذکورہ بالا عثمان بن حنیف کی روایت
سے ثابت ہوتا ہے۔ (ثبوت بالروایۃ کے علاوہ درایۃ بھی یہ ثابت ہے، کیونکہ توسل کا
مدار معنی حیات و وفات دونوں حالت میں مشترک ہے۔ فتدبر فانہ طیب) اور توسل
بالفعل بعد الوفات اس حدیث سے ثابت ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
لوگوں نے قحط کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھو اور
اس کے مقابل آسمان کی طرف (گنبد وغیرہ کی) کوٹھری کی چھت میں ایک منفذ
(سوراخ) کرو۔ یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے، چنانچہ ایسا
ہی کیا گیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔ الحدیث۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔
(مشکوٰۃ شریف باب الکرامات)

تو بزبان حال اس توسل بالفعل کے معنی یہ تھے کہ اے اللہ! یہ آپ کے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے، جس کو ہم بوجہ نزدیکی تعلق کی وجہ سے محبوب رکھتے ہیں،
اور نبی سے ملانے والی چیز کو محبوب سمجھنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی کی عظمت کا
اعتقاد رکھنا ایک درجہ توسل اور موجب رحمت ہے، پس ہم پر رحمت فرمائیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ قحط کے وقت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے
بارش کی دعا کیا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے، اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا توسل کرتے ہیں، سو ہم کو بارش دے، چنانچہ بارش ہوتی تھی۔
(بخاری)

فائدہ:... اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ توسل کرنا بھی جائز نکلا، جبکہ اس کو نبی سے قرابت حقیقی ہو یا قرابت معنوی کا کوئی تعلق ہو، تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کے عمل سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ذات سے توسل جائز نہ تھا، اس لئے آپ کے چچا صاحب سے توسل کیا گیا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توسل بالنبی کی ایک اور صورت بھی ظاہر کر دی جس پر کسی صحابی نے انکار نہ کیا، تو گویا اس میں اجماع کے معنی آگئے۔

تنبیہ:... توسل بالمقربین، بالاعمال الصالحۃ کا حاصل یہی ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت اور اعمال صالحہ چونکہ مورد رحمت وموجب رحمت ہیں، اور مورد رحمت سے محبت واعتقاد موجب جلب رحمت الٰہی ہے، تو اے اللہ! ہم بھی ان سے محبت و اعتقاد رکھتے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور ہماری حاجت روائی ومشکل کشائی فرما

اسی طرح چونکہ اعمال صالحہ کرنے والا مرحوم ہوتا ہے، اور ہم نے بھی یہ اعمال صالحہ کئے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور ہماری حاجت براری ومشکل کشائی فرما، تو مقربین جل جلالہ وعزّ برہانہ اور اعمال صالحہ دنیا وآخرت کے مقاصد کے لئے وسیلہ کاملہ ومروجہ مقرر پائے جبکہ مشکل کشائی، حاجت روائی، مضطر کے اضطرار اور پریشانی کو دور کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کارساز وحدہ لاشریک لہ ہے، پس اگر کوئی شخص

اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی اٰل

سیدنا محمد افضل صلواتک وسلامک وبرکاتک عدد

معلوماتک انک حمید مجید

فاغفر لناشدها واغفر لسامعها

سألتک الخیر یا ذا الجود والکرم

ترجمہ: "سو مغفرت فرمادیجئے اس کے کہنے والے

اور سننے والے کی۔ میں آپ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اے

صاحب جود وکرم۔"

(العصر فی نعانی حمد لکبریائی)

احقر الانام محمد عبداللہ عفی عنہ اللہ تعالی

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

نجات آخرت کے لئے بنائے، اور قصر رضائے الٰہی میں درج فرمائے، آمین!

العبد الاواہ سید محمد عبداللہ شاہ غازی پوری

از کُتب خانہ جلال پور پیروالا من مضافات ملتان

(۳)

ماہر العلوم القرآنیہ واقف اسرار الفرقانیہ صاحب الشریعۃ والطریقۃ

مولانا محمد شفیع صاحب ادام اللہ فیوضہ

حامدا ومصليا وبعد فقد رأيت هذه الرسالة التي صنفها العلام الهمام واقف رموز كلام الله مولانا محمد عبدالله ادامه الله فوجدت ما فيها حقا صريحا لا يحوم حول سرادقاته شك ولا ريب، وانه لقول فصل وما هو بالهزل، متعنا الله تعالى بطول حياته وبقائه وجزاه الله عني وعن سائر اهل الحق خير جزاء عنائه امين ثم امين!

العبد الضعيف محمد شفيع

المدرس في المدرسة الجامعة الاسلامية العربية

الواقعة في بلدة ملتان

(۴)

جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر المعقول والمنقول حاذق الاصول والفروع

مولانا محمد عبدالخالق نعمانی متع اللہ تعالیٰ بطول بقاۂ

هذا شيء عجيب علق نفيس بضاعة كثير، من اخذه فقد فاز فوزا

(۷)

حضرت مولانا امام شاہ صاحب زید مجدہم

بسملاً، حامداً ومصلیاً، اما بعد! فقد طالعت هذه الرسالة من اولها الى آخرها فظهر لي ما يغشي جلالة قدر مؤلفها، شكر الله تعالى سعيه وجعلها ذخيرة له في الدارين ونفع بها جميع عشاق جمال نبي الرحمة صلى الله عليه وآله واصحابه وهو المستعان وعليه التكلان

العبد الراجی رحمۃ اللہ امام شاہ اہل سنت والجماعت

محلہ پیرو دانی [illegible]

(۸)

استاذ العلماء والکرام بحر العلوم شیخ الحدیث

حضرت مولانا الحافظ القاری مفتی محمد شفیع صاحب [illegible]

مہتمم مدرسہ عربیہ [illegible] العلوم [illegible] سرگودھا

رسالہ ہذا کی پہلی اشاعت میں چند حضرات کی تقریظیں بھی شامل ہیں، اور شاید موجودہ طبع میں بھی نظر نواز ہوں، اس لئے اب کسی مزید کو کسی تقریظ کی گنجائش تو نہ تھی، چونکہ تقریظ کا مقصد درحقیقت توثیق ہوتا ہے مگر رسالہ ہذا کی شان توثیق سے ارفع ہے۔

صاحب مؤلف نے کتب معتبرہ کی روایات کو رسالہ ہذا میں نہایت احسن ترتیب میں جمع فرما کر ان پیارے چاروں کی حیات طیبہ کے مختلف پہلو روشن فرمائے ہیں، جن کی روشنی آج بھی زمانے بھر کے لئے چراغوں کی حیثیت رکھتی ہے، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے منازل سے لے کر تمام منازل تک کا ذکر خیر اس میں کیا ہے، رسالہ نہایت عمدہ اور مفید ہونے کی حیثیت سے عوام کے لئے، بلکہ ہر مسلمان کے لئے مفید ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ رسالہ ہذا کی اشاعت کو زیادہ سے زیادہ وسیع کر کے اس کے فائدے کو محدود نہ رہنے دے۔ دوسری طرف ناشرین رسالہ ہذا کا فرض ہے کہ اس کی کتابت اور کاغذ اور طباعت کو ایسی دیدہ زیب صورت دیں کہ روح کے حسن کے ساتھ جسم کا حسن شامل ہو کر ہر جہت سے دلکش وجود پیدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف صاحب کو دارین میں فائز المرام فرمائے، آمین!

احقر الورٰی ابو السعید محمد شفیع غفر لہٗ
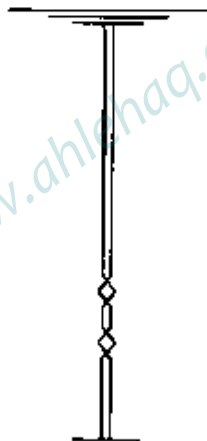
سیرت النبی ﷺ اجمالی نقشہ
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ

اَجْمَعِيْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

کچھ عرصے سے خیال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، آداب اور عادات شب و روز سے متعلق کچھ مواد نشر و اشاعت کی جائے، شاید بندہ کی مغفرت کا سبب بن جائے، مگر اپنی نااہلیت، کم علمی، بے بسی اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعت شان و علو مکان جس کی ناطق حدیث و قرآن ہو، مجھ جیسے سفیہ و نادان سے کیسے ہو سکے گا؟ اس لئے ہمیں و پیش رہا، اسی تذبذب کے تحت متعدد ایام و زمان گزرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عزم بالجزم ہوا، اور بطور نمونہ یہ قابل پیش خدمت ہے، امید ہے کہ خواص و عوام اپنے حسن اخلاق اور جود و احسان پر نظر رکھتے ہوئے کلام و الفاظ کی غرابت اور مضامین کی تشتت سے تسامح فرماتے ہوئے اصل مقصد اور آقائے دو عالم علیہ الف الف تحیات و صلوات کے اخلاق، اوصاف اور عادات کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

کی عادات و حالات سے دل بہلاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اکثر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے، نہ پست قد، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا، اور رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے زردہ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے، بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پرنور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے، حضور علیہ السلام کے بال نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل پیچ دار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا، کبھی آپ کے سر کے بال مونڈھوں تک، کبھی کان کی لوتک اور کبھی اس کے درمیان تک ہوتے تھے، نہ آپ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی یعنی چہرۂ انور نہ بالکل لانبا، بلکہ دونوں کے درمیان تھا، آپ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، پلکیں دراز اور پیشانی کشادہ تھی۔ آپ کے ابرو خم دار، باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی، آپ کی ناک بلندی مائل تھی، اور اس پر چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا، لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بلند نہیں تھی۔ آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا یعنی منہ تنگ نہ تھا، اور بعض کے نزدیک فراخ منہ کنایہ ہے فصاحت سے، یعنی افصح تھے، آپ کے دانت مبارک باریک و آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا فصل بھی تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا، جو دانتوں کے

درمیان سے نکلتا تھا، آپ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں والی تھی، آپ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ کے سب اعضا نہایت معتدل اور پر گوشت تھے، گٹھے ہوئے بدن کے تھے، پیٹ اور سینہ ہموار تھا، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا، ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصے پر کسی قدر بال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز تھیں، ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز، پر گوشت تھے، اور ایڑی پتلی تھی، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں، آپ کے تلوے قدرے گہرے تھے، اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا، اور جب تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، شاید اس لئے کہ یہ متکبرانہ وضع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھی مناسب طور پر بڑا تھا، اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، آپ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ پہلی نظر میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا، البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا، وہ آپ کے اخلاق کریمہ و اوصاف جمیلہ سے گھائل ہوکر آپ کو محبوب بنالیتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ حضور سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں۔

فائدہ:... اس جیسی عبارت میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے اوصاف میں مبالغہ نہیں، اس لئے کہ وہاں حسن و جمال کی تعبیر سے باہر ہے۔

آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی، جو سرخ رسولی جیسی تھی، اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، وغیرہ ذالک من الصفات۔

فصل دوم:

مہر نبوت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر مہر نبوت ولادت ہی کے وقت سے تھی، جیسا کہ تاریخ بخاری نے بواسطہ یعقوب بن حسن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات میں جب بعض صحابہؓ کو شک ہوا تو حضرت اسماءؓ نے مہر نبوت کے غائب ہونے سے وصال پر استدلال کیا، اس وقت وہ مندرس تھی، چنانچہ مناوی نے اس قصہ کو مفصل نقل کیا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس مہر نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر "سِرْ فَاَنْتَ مَنْصُوْرٌ" لکھا ہوا تھا، بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچتیں۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے شمائل ترمذی میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، منجملہ ان کے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> "میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا، جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔"

(شمائل ترمذی ص ۳)

فصل سوم:

سر مبارک کے بال:

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، کسی روایت میں یہ ہے کہ نصف کانوں تک تھے، اور کسی روایت میں یہ ہے کہ کانوں کے نیچے اور مونڈھوں کے اُوپر تھے، اور بعض روایت میں یہ ہے کہ مونڈھوں پر تھے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ بال بڑھنے والی چیز ہیں، ایک وقت میں کان کی لو تک تھے، اور ایک وقت میں ذرا زائد اور دُوسرے وقت میں مونڈھوں تک تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا، اس نے چھوٹے بال نقل کئے ہیں، اور جیسے جیسے کسی نے دیکھا، ویسے نقل کیا ہے، امام ترمذی نے شمائل میں آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، من جملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے:

> ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔“

(شمائل ترمذی ص:۳)

اور دُوسری حدیث یہ ہے:

> ”حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہ بالکل پیچیدہ، نہ بالکل کھلے ہوئے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن لئے ہوئے

تھے، جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔" (شمائل ترمذی ص ۴)

فصلِ چہارم:

بالوں میں کنگھا کرنا:

امام ترمذی نے شمائل میں پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

"میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی، حالانکہ میں حائضہ تھی۔" (شمائل ترمذی ص ۳)

فائدہ:... اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کو حالتِ حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرِ مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے، اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے، اور اپنے سرِ مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔" (شمائل ترمذی ص ۴)

فائدہ:... تیل سے کپڑے میلے ہوتے ہیں، جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت کے خلاف ہے، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا ڈال لیتے تھے، تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

فصل پنجم:

سرمہ لگانا:

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا (لگانا) مستحب ہے۔ آپ کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ لگائے۔ اس میں آنکھوں کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ثواب بھی ہے۔ اس بارے میں شمائل ترمذی میں یہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرو، اس سے نگاہ کی
روشنی بھی تیز ہوتی ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔"

(شمائل ترمذی ص ۵)

حضرت ابن عباس ہی فرماتے ہیں کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی
جس میں سے تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرتے
تھے۔" (شمائل ترمذی ص ۵)

فائدہ... اثمد ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے اور بلاد مشرق میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض علماء اس سے سرمہ اصفہانی مراد لیتے ہیں۔

سلائی کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں میں دو آئی ہیں۔ یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے

تھے، اور بعض اوقات دو بیاہ۔

فصلِ ششم:

حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں:

علماء فرماتے ہیں کہ: آدمی کا ایک لباس واجب ہوتا ہے، اور وہ اتنی مقدار ہے کہ جس سے ستر عورت کیا جائے۔

مستحب لباس: اور وہ یہ ہے جس کی شریعت میں ترغیب آئی ہے، جیسے عمدہ کپڑا عید کے لئے اور سفید کپڑا جمعہ کے لئے۔

حرام لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے پہننے کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، جیسے مرد کے لئے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا۔

مکروہ لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو جیسے غنی کے لئے ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

مباح لباس۔ وہ ہے جو کہ حسب عادت و رواج قومی پہنا جائے، اس باب میں سولہ حدیثیں شمائل میں مذکور ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ:

"حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔" (شمائل ترمذی ص۔۵)

شاید اس لئے کہ اس میں ستر بھی زیادہ ہے اور تجمل و زینت بھی اچھی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی منقش چادر

کپڑوں میں زیادہ پسند تھی۔" (شمائل ترمذی ص:۶)

ان دو احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ یمنی منقش چادر بھی پسند تھی اور کرتہ بھی پسند تھا، اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر زیادہ پسند تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کپڑا پہنتے تو اظہار مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے یہ کرتہ مرحمت فرمایا، ایسے ہی چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ." (شمائل ترمذی ص ۶)

ترجمہ:"یااللہ! آپ کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر آپ ہی کا شکر ہے، یااللہ! آپ ہی سے کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں، اور خوبی چاہتا ہوں جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور آپ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔"

فائدہ:... لباس فاخرہ بہ نیت حمد و شکر پہننا درست ہے، اور تکبر، خود پسندی اور شہرت کی بنا پر ناجائز و ممنوع ہے، اور بعض صوفیہ نے جو شکستگی کی حالت کو اختیار کیا ہے، وہ اس لئے کہ یہ شکستگی تواضع کی طرف لے جانے والی ہے، اور تکبر کو دور کرنے والی ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس شکستگی کو کمال کا جال بنا کر لوگوں کو دھوکے میں نہ ڈالے، ورنہ یہ شکستگی ممنوع و حرام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت اخفا (چھپانے) اور تحرز عن السؤال (سوال سے بچنے) کی وجہ سے ان کو علم نہیں ہوتا تھا ایسے ہی آپ کے اہل وعیال بھی اخفا کرتے تھے کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی پیالی اور طشتریوں میں نوش فرمایا نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔" (شمائل ترمذی ص ۱۰)

یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ چمڑے کے دسترخوان پر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"سرکہ بھی کیا اچھا سالن ہے! اس لحاظ سے کہ اس میں وقت و محنت کم ہوتی ہے اور روٹی بےتکلف کھائی جاتی ہے۔" (شمائل ترمذی ص ۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو (لوکی)، جو کی روٹی اور گوشت کا شوربہ مرغوب تھا (یہ حدیث کا خلاصہ ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹھائی اور شہد پسند تھا۔" (شمائل ترمذی ص ۱۱)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلو کا گوشت بھنا ہوا پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کئے نماز پڑھی۔" (شمائل ترمذی ص ۱۱)

فصل ہم:

وہ کلمات جو آپ کھانے سے پہلے اور بعد پڑھتے:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا، میں نے آج تک ایسا کھانا جو ابتدا (کھانے کے وقت) نہایت بابرکت ہو، اور ختم (ہونے) کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا، اس لئے حیرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔"

فائدہ:... شیطان کا کھانا جمہور علماء کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے "بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" کہہ لے۔"

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیٹا! قریب ہو جاؤ، اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔"

فائدہ:... کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے، اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے، اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے،

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔" (ترمذی ج ۲ ص ۱۸۳)

ترجمہ... "تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔"

فائدہ:... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان ہونے کو کھانا پر شکریہ کے بعد اس لئے ملا دیا کہ انعامات ظاہریہ کے ساتھ انعامات باطنیہ بھی شامل ہیں، یا اس لئے کہ در حقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ کی حمد، اسلام کا ثمرہ ہے۔ اس لئے اس کو بھی شامل کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ بندہ کی اس بات پر بہت رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ جب وہ ایک لقمہ کھانا کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیئے تو حق تعالیٰ شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ! اس فصل کی اکثر احادیث شمائل ترمذی سے ماخوذ ہیں۔

فصل دہم:

خلق محمدیؐ:

اب میں اس جگہ کمالات نبوت اور خصوصیات نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام

کا ذکر نہیں کر رہا، بلکہ صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں، جن کو کوئی سعادت مند ازلی اپنے لئے نمونہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

(الاحزاب ۲۱)

ترجمہ:... "تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے، اور بعثت نبوت کے زمانہ تک کسی علم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی، تیراکی (تیراندازی)، شہسواری، نیزہ بازی، شعر گوئی اور نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے جنہیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصول شہرت و عزت کے لئے ضرور سیکھا کرتا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فنون میں سے کسی کو بھی سیکھا یا حاصل نہ کیا، اور نہ کسی فن پر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرنگی پادری میجر لکھتا ہے

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکر خدا کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔

انصاف کے معاملے میں قریب اور بعید، آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک برابر تھے۔ (آپ) مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے، غرباء میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کے باعث حقیر نہ سمجھتے، اور کسی بادشاہ کو بادشاہی

کے باعث بڑا نہ سمجھتے، پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب
فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے، صحابہ سے کمالِ
محبت فرمایا کرتے، سفید (صاف) زمین پر (بلا کسی مسند و فرش
کے) نشست فرمایا کرتے، اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، اپنے
کپڑے کو خود پیوند لگالیتے تھے، دشمن اور کافر سے کشادہ
پیشانی ملا کرتے۔"

(بحوالہ سیرت رحمۃ للعالمین نقلاً من تاریخ پروفیسر سیدیو ص ۴۲)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) "کیمیائے سعادت"
میں لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مویشی کو چارہ خود
ڈالتے، اونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دودھ لیتے۔
خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، خادم کو اس کے کام و کاج میں مدد
دیتے، بازار سے چیز خود خرید لیتے، خود اسے اٹھا لیتے، ہر ادنیٰ و
اعلیٰ، خورد و بزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے، جو کوئی ساتھ ہو لیتا،
اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے، نیک خو، کریم الخلق،
کشادہ رو تھے، مگر ہنستے نہ تھے، اندوہ گیں تھے، مگر ترش رو نہ
تھے، متواضع تھے، جس میں دناءت نہ تھی، باہیبت تھے، جس میں
درشتی نہ تھی، سخی تھے مگر اسراف نہ تھا، ہر ایک پر رحم فرماتے، کسی
سے کچھ طمع نہ رکھتے، سر مبارک کو جھکائے رکھتے۔"

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغۃ" صفحہ ۲۸۵ میں
فرماتے ہیں:

''حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص یکبارگی آ جاتا، وہ ہیبت زدہ ہو جاتا، اور جو کوئی پاس آ بیٹھتا، وہ آپ کا فدائی بن جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کبھی اُف (ہونھہ) تک نہ کہا، زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہ آئی تھی، نہ کسی پر لعنت کیا کرتے، کنبے کی اصلاح اور درستی پر نہایت توجہ فرماتے، ہر شخص اور ہر چیز کی قدر ومنزلت سے آگاہ تھے، آسمانی بادشاہی کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطیع کو بشارت سناتے، عاصی کو ڈراتے، بے خبروں کی پناہ تھے، جملہ کاروبار کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینے والے تھے، نہ درشت خو تھے، نہ سخت گو، چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیتے، معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے، گنہگار کو بخش دیتے، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان دیتی، غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تیری زر فشانی نے قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف، بلکہ ان کا لباس، نیکوئی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل

اُن کی سیرت، اُن کی شریعت سراپا راستی، ان کی ملت اسلام، ہدایت اُن کی رہنما ہے، وہ ضلالت کو اُکھاڑ دینے والے، گم ناموں کو رفعت دینے والے اور مجہولوں کو نامور کر دینے والے تھے۔

سکوت اور کلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہا کرتے تھے، بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے تھے، نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے۔ گفتگو ایسی دل آویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل و روح پر قبضہ کر لیتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف ایسا مسلّم تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے، اور جاہل دشمن اس کا نام سحر و جادو رکھتے تھے، سلسلۂ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا کہ کوئی خلل نہ ہوتا تھا، الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے تھے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔ (کذا فی زاد المعاد ج:۱ ص:۴۷)

ہنسنا، رونا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھل کھلا کر نہ ہنسا کرتے تھے، تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات نماز تہجد میں رو پڑا کرتے، کبھی کسی مخلص کے مرنے پر آبدیدہ ہو جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم سلام اللہ علیہ زمانۂ شیر خوارگی میں گزر گئے تھے، جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (کذا فی اصحاب وغیرہ ذالک)

غذا کے متعلق ہدایت:

• رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے، اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔ (کذا فی زاد المعاد ج ۴ ص ۷۸)

قلیل مقدار کی رغبت دلایا کرتے، کہ معدہ کا ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پانی کے لئے، اور ایک تہائی حصہ خود معدہ کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

(کذا فی زاد المعاد ج ۳ ص ۸۰)

پھلوں اور ترکاریوں کا استعمال ان کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج ۲ ص ۳۵)

مرض و مریض:

متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اس سے علاحدہ رہنے کا حکم دیا کرتے۔ (کذا فی زاد المعاد ج ۳ ص ۵۰)

(اس حدیث کے مقابل حدیث "لا عدوی ولا طیرۃ" ہے، ظاہر ہے کہ متعدی مرض میں بالذات کوئی تاثیر نہیں، ہاں! اگر سبب کے طور پر پرہیز کرے تو مباح و درست ہے۔)

بیمار کو طبیب حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے اور پرہیز کا حکم دیتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج ۳ ص ۳۵،۴۱)

طبیب ناداں:

ناداں طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے، حرام اشیاء کو بطور دوا کے استعمال کرنے سے منع فرماتے، کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے (امت کے) لئے شفا نہیں رکھی۔

(کذا فی زاد المعاد تا قاً عن البخاری عن ابن مسعودؓ)

عیادتِ مریض:

صحابہؓ میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت فرمایا

کرتے، عیادت یعنی بیمار پرسی کے وقت مریض کے قریب بیٹھتے، بیمار کو تسلی دیتے۔ "لَا بَأْسَ طَهُورٌ (پ) كَفَّارَةٌ إِنْ شَاءَ اللهُ" فرمایا کرتے، مریض سے پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے؟ اگر وہ شے اس کے لئے مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کر دیا کرتے۔ ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ (کذا فی زاد المعاد: ج ۱، ص ۱۳۳)

حالتِ مرض میں دوا کا استعمال فرمایا، اور لوگوں کو علاج کرنے کا ارشاد فرماتے۔

خطبہ خوانی

زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام استغفار پر ہوا کرتا، قرآن مجید کا پڑھنا اس خطبہ میں ضرور ہوتا، اور قواعد اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی، ایسے خطبے جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ تھے، بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا تب ہی لوگوں کو مستفید فرما دیتے۔

فائدہ... علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ جہال کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ کے وقت تلوار لے کر کھڑا ہونا، یہ اشارہ تھا کہ دین بزور شمشیر قائم کیا گیا ہے، علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جہال کا قول دو وجوہ سے غلط ہے:

۱... تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔

۲... خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا، اور مدینہ بذریعہ قرآن کریم فتح ہوا ہے، نہ بذریعہ شمشیر، نیز فرمایا کہ دین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔ (کذا فی زاد المعاد)

صدقہ و ہدیہ:

صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ البتہ ہدیہ قبول فرماتے۔ مخلصین صحابہ نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفہ بھیجتے، انہیں قبول فرمالیتے۔ ان کے بدلے خود بھی تحفے ارسال فرماتے، مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر سواری فرمائی، جنگ حنین کے دن وہی خچر سواری میں تھا، لیکن عامر بن مالک مشرک کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو قبول نہ فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج ۲ ص: ۱۹۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو قیمتی تحائف آیا کرتے، اکثر اوقات انہیں اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا کرتے۔

اپنی تعریف:

اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دوسرے نبی کی کمی نکلتی ہو، پسند نہ فرمایا کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تُخَیِّرُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ" نبیوں کے ذکر میں ایسا طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔

(کذا فی البخاری عن ابی سعید خدریؓ)

اظہارِ حقیقت یا عقیدہ کی اصلاح:

سیدنا ابراہیم فرزند رسول کا انتقال ہو گیا، اس روز سورج گرہن بھی ہوا، لوگ کہنے لگے کہ: ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج بھی گہنا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا: سورج اور چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنایا کرتے۔ (کذا فی البخاری عن مغیرہ بن شعبہؓ)

مصلحتِ عامہ کا لحاظ:

جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی، تو انہوں نے کچھ تو عمارتِ ابراہیمی میں سے اندر کی جگہ باہر چھوڑ دی، پھر کرسی اتنی اونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے، اور کعبہ میں دروازہ بھی صرف ایک رکھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے، ورنہ میں اس عمارت کو گرا دیتا، اور کعبہ کے جس حصے کو باہر کر دیا ہے، اس کو اندر کر دیتا، اور کعبہ کے دو دروازے رکھتا، ایک آنے کا، ایک جانے کا۔

(کذا فی البخاری عن ابن الزبیر عن عائشہؓ)

جب منافقین کے شر انگیز افعال و حرکات حد سے بڑھ گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بے خبر لوگ یہی کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا۔ (کذا فی سیرت رحمۃ للعالمین)

بشریت و رسالت:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کو جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے، ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت صادر ہوتے، ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی کرتے۔

ایک دفعہ فرمایا: "میں بشر ہوں، میرے سامنے جھگڑے آتے ہیں، کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہترین طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے، جس سے گمان ہو جاتا ہے کہ وہ سچا ہے، اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اس فیصلے کے موجب کچھ ملتا ہے، تو وہ سمجھ لے

کہ یہ آپ کا گھوڑا ہے اب خواہ دے دو خواہ چھوڑ دو۔"

(ملاحظہ ہو بخاری باب الھبۃ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

بچوں پر شفقت:

بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو "السلام علیکم" کہا کرتے۔

(بخاری بحوالہ انس بن مالک، کتاب الادب)

ان کے سر پر ہاتھ رکھتے، انہیں گود میں اٹھا لیتے۔ (ملاحظہ ہو)

بوڑھوں پر عنایت:

فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے ضعیف والد ابو قحافہ (زندہ) باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت اسلام کرانے کے لئے لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔"

ارباب فضل کی قدر و منزلت:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو غزوۂ خندق میں سخت زخمی ہو گئے تھے، یہودیوں بنی قریظہ نے ان کو حکم اور منصف تسلیم کر کے بلایا تھا، جب وہ مسجد میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے، جو قبیلہ اوس کے تھے، فرمایا "قوموا الی سیدکم" (اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ!) لوگ گئے، وہ آگے بڑھ کر ان کو لے آئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی حمایت اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کر کے لاتے تو ان کے لئے مسجد میں منبر رکھ دیا جاتا، جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی کا نام عضباء تھا۔ کوئی جانور اس سے آگے نکل نہیں سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا، اور عضباء سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں پر یہ شاق گزرا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا تعالیٰ کی ذات میں سنت یہی ہے کہ کسی کو اونچا اٹھاتا ہے تو اُسے نیچا بھی دکھاتا ہے۔" (کذا فی البخاری)

۹۔ ایک شخص آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "یا خیر البریۃ" (بہترین خلق) کہہ کر بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذاک ابراھیم" یہ شان تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ (کذا فی البخاری)

۱۰۔ ایک شخص حاضر ہوا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے کانپ گیا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کچھ پرواہ نہ کرو، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔"
(کذا فی البخاری)

شفقت و رأفت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کوئی شخص بھی اچھے اخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ تھا، خواہ صحابہ میں سے کوئی بلاتا یا گھر والوں میں سے کوئی فرد بلاتا، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں "لبیک" (حاضر) ہی فرمایا کرتے۔ (کذا فی الشفاء)

عبادت نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے، تاکہ امت پر اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو، جب کسی معاملے میں دو صورتیں سامنے آتیں، تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔ (کذا فی البخاری)

وعظ و نصیحت بھی کبھی فرماتے، تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ (کذا فی البخاری)

عدل و رحم:

اگر دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے، اور اگر کسی شخص کا نفس مبارک (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

فاطمہ نامی ایک عورت نے فتح مکہ میں چوری کی، لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔" (کذا فی صحیح البخاری بمعناہ)

دشمنوں پر رحم:

مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کر دیں، ابوسفیان بن حرب (جو اس وقت دشمن اسلام تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، عرض کیا محمد! آپ تو لوگوں کو صلہ رحمی (یعنی قرابت داروں سے حسن سلوک) کی تعلیم دیا کرتے ہیں، دیکھئے! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے خوب ہی بارش ہوئی۔

حضرت ثمامہ بن اثالؓ نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کر دیا، اس لئے کہ اہل مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ (کذا فی الشفاء قاضی عیاض)

جود و کرم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو نا نہ فرماتے، زبان مبارک پر حرف انکار نہ لاتے، اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا تو سائل سے اپنے عذر کرتے، جیسے کوئی شخص

عفت وعصمت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایامِ جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں حصہ نہیں لیا، صرف دو دفعہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خود ہی بچا لیا، وہ یوں کہ کم عمر تھا، میں نے اس چرواہے سے، جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا، کہا: اگر تم میری بکریاں سنبھالو تو میں مکہ (آبادی کے اندر) جاؤں، جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے اور سنتے ہیں، میں بھی کہانیاں کہوں اور سنوں، اس ارادے سے میں شہر آیا، پہلے ہی جس گھر پہنچا تو وہاں دف اور مزامیر بج رہے تھے، اس گھر میں بیاہ تھا، میں انہیں دیکھنے لگا، نیند نے غلبہ کیا، سو رہا، جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی۔ دوسری دفعہ اس ارادہ سے نکلا، تو اسی طرح نیند آ گئی اور وقت گزر گیا، ان دو واقعات کے سوا کبھی رسمِ جاہلیت کا ارادہ نہیں کیا" سُبْحَانَ اللہِ! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ دَائِمًا! (کذا فی الشفاء)

فصل یازدہم:

حضورِ اکرمؐ کی دعائیں:

ضرر رساں چیزوں سے بچنے کی دعا:

صبح وشام کی دعا حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص صبح وشام تین، تین بار یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھے گا۔

"بِسْمِ اللہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی

اَلْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔"

(ابو داؤد، ترمذی)

ترجمہ... "میں اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں یا کھاتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین و آسمان میں نقصان نہیں دے سکتی، وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

صحیح مسلم و سنن اربعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آج رات بچھو کے کاٹنے سے بہت تکلیف ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یاد رکھو! اگر تم یہ دعا پڑھ لیتے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوتی:

"اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ"

ترجمہ... "میں خدا تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعہ اس کی مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

حضرت معقل بن یسار کی روایت میں یہ دعا تین بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح جو شخص کسی منزل پر اترتے وقت یہ دعا پڑھے تو وہاں سے کوچ کرنے کے وقت تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

وہ دعا جس کے پڑھنے سے ستر ہزار فرشتے دعا کریں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جو شخص صبح اس تعوذ کو سورۂ حشر کی ان تین آیتوں (جو آخر میں ہیں: "ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ" تا آخر سورۃ) کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس کے لئے مغفرت کی دعا کیا

کرتے ہیں، اور اگر کوئی شخص شام کو یہ تعوذ پڑھتا ہے تو صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں، اور اگر کوئی اس اثنا میں مر جاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔" (رواہ الترمذی والدارمی)

وہ تعوذ یہ ہے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" تین بار پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ فرمایا "خدا کا پیغمبر یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خدا کی طرف سے آئے ہوئے حکمت بھرے کلمات سکھائے، تم ان کو ذوق و شوق سے پڑھا کرو، اور دن رات ان کے ساتھ زبان تر رکھو، وہ حکمت بھرے کلمات یہ ہیں:

"اللّٰھم انی اسئلک صحۃ فی ایمان وایمانا فی حسن خلق ونجاحا یتبعہ فلاح ورحمۃ منک وعافیۃ ومغفرۃ منک ورضوانا" (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ...."اے اللہ! میں تجھ سے صحت، ایمان کے ساتھ، اور ایمان حسن خلق کے ساتھ، اور کامیابی جس کے پیچھے فلاح ہو، اور تیری رحمت، عافیت، مغفرت اور تیری خوشنودی چاہتا ہوں۔"

سوتے وقت کی دعا:

انسان جب سونے کے لئے اپنے بستر پر آئے، تو چاہئے کہ پاک ہو یعنی وضو سے ہو اور یہ دعا پڑھے:

کیا، اور ہم پہ انعام کیا، اور بہت دیا۔"

بے شک یہ کہنا اس نعمت کا شکریہ اور بدلہ ہے۔ (کذا فی الحصن الحصین)

اور جب کھانے سے پہلے "بسم اللہ" کہنا بھول جائے تو کہے: "بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

اگر دودھ پیئے تو یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ."

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ... "اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے زیادہ عنایت کر۔"

اور اگر عورت سے جماع کا ارادہ کرے تو یہ دُعا پڑھے:

"بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا." (رواہ الشیخان عن ابن عباسؓ)

ترجمہ: "میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے الگ رکھ (یعنی اولاد سے) جو تو ہمیں عطا کرے۔"

بچوں کا تعویذ:

اگر بچے کے گلے میں کوئی ایسی چیز ڈالنا چاہے کہ وہ بچہ نظرِ بد، جن و انس سے محفوظ رہے، تو وہ یہ ہے:

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ."

(کذا فی البخاری وحصن مع بعض عن ابن مسعودؓ)

ترجمہ:... "میں اللہ کے کلمات تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر شیطان اور زہریلے کاٹنے والے اور ہر لگ جانے والی نظر کی بُرائی سے۔"

آشوب چشم:

جس شخص کو آشوب چشم کی شکایت ہو، تو کہے:

"اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِبَصَرِیْ وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّیْ وَاَرِنِیْ فِی الْعَدُوِّ ثَأْرِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِیْ."

(رواہ الحاکم وغیرہ)

ترجمہ:... "اے اللہ! مجھے میری بینائی سے فائدہ دے، اور اس کو میرا وارث بنا، اور دشمن میں میرا بدلہ دکھا اور جو مجھ پہ ظلم کرے، اس پر میری مدد فرما۔"

دفع بخار کے لئے:

جس کو بخار چڑھے وہ کہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ."

(رواہ الحاکم وابن ابی شیبہ عن ابن عباسؓ)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے نام سے، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جوش مارنے والی رگ کے شر اور آگ کی گرمی کی بُرائی سے۔"

القول النقی فی حیاۃ النبی

یعنی

مسئلہ حیات النبی کی بے غبار تشریح

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب یسر وتمم بالخیر

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصا علی سیدنا محمد المصطفی والمرتضی خیر خلق اللہ تعالی الذی حیاتہ اکمل وافضل من حیاۃ الشھداء وعلی الہ المجتبی واصحابہ الذین اقتدوا بھداہ رضی اللہ عنھم ورضوا عن اللہ تعالی، اما بعد!

بندہ بعد حمد و درود عارض ہے کہ اس سال مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ عوام وخواص تک اس سے متأثر ہوئے، علمائے کرام معتوب ومعیوب ہوئے، آفتاب نصف النہار پر ابر سیاہ آنے لگا اور عوام میں فریقین کے استدلال نے پریشانیاں، چہ میگوئیاں اور جنگ وجدال ڈال دیا۔ ''حیات الانبیاء'' کا مسئلہ ابتدائی تبلیغ کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اصولی مسئلہ نہ تھا، مگر اپنے بعض مشائخ کے تقرر کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا، ہر طرف سے طعن بڑھنے لگے، احباب نے سوال وجواب سے صورت دو دو ہم مجبور ہو کر اختیار کر لیا، آخر بندۂ گنہگار شرمسار نے بذریعہ قلم اپنے احباب کے لئے اپنا مسلک ظاہر کرنا ضروری

سمجھا۔ اس میں بعض احباب اور رفقاء نے بھی بڑا تعاون کیا۔ ان تمام احباب اور
علمائے دیوبند کی تحقیقات سے بھرپور مستند مواد اور شخصی خدمات ہیں

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

اس رسالے میں مختلف مباحث پر مشتمل چند فصول ہیں۔

فصل اول:

موت کس چیز کا نام ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ موت، فنائے کامل اور عدم کامل کا نام نہیں ہے۔ فنائے کامل اور عدم کامل کا عقیدہ دراصل کفار اور منکرین حشر و نشر کا ہے کہ اس ظاہری موت پر انسان مر جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔"

(السجدۃ: ۱۰، ۱۱)

ترجمہ: "اور کہتے ہیں کہ جب ہم رل گئے زمین میں، کیا ہم کو نیا بننا ہے؟ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔ تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے، پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے۔"

اس پر حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یعنی تم اپنے آپ کو محض جان اور جسم سمجھتے ہو کہ
خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے، ایسا نہیں، تم حقیقت میں جان
ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے، بالکل نابود نہیں ہو جاتے۔"

(موضح القرآن)

پس قرآن مجید نے کفار کے اس عقیدے کا مدلل طریقے پر رد فرمایا ہے، اور اس ظاہری موت پر بھی حیات کو ثابت رکھا، اور قرار دیا کہ موت فنائے کلی اور عدم تام نہیں، بلکہ: "الانتقال من دار الی دار" یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف انتقال کرنے کا نام موت ہے۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ "ایک لباس اتار کر دوسرا پہننے کا نام موت ہے۔"

امام جلال الدین سیوطیؒ نے "بشری الکئیب" میں اسی طور پر لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا:

"الموت ليس بعدم محض، ولا فناء صرف
وانما هو انقطاع تعلق الروح بالبدن، ومفارقة وحيلولة
بينهما، وتبدل حال، وانتقال من دار الى دار."

(شرح الصدور، وبذيله كتاب بشرى الكئيب ص ۳۳۳)

ترجمہ: ... "موت عدم محض اور فنائے صرف نہیں ہے،
وہ تو بے شک روح کے تعلق (جو کہ بدن سے تھا) کے ٹوٹنے
اور جدا ہونے، ایک حال سے تبدیل ہونے اور ایک مکان
سے دوسرے مکان کی طرف جانے کا نام ہے۔"

بلکہ قرآن مجید نے تو یہاں تک بتا دیا کہ اس برزخی زندگی میں قیامت کے بعد

دارِ آخرت میں بھی یہی بدن پھر ترکیب نئی اختیار کرے گا، جیسا کہ ارشاد ہے:

"كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ." (الانبیاء:۱۰۴)

ترجمہ... "جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار، پھر اس کو دہرائیں گے وہ وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو پورا کرنا ہے۔"

لفظ اعادہ خود بتا رہا ہے کہ اسی بدن کو لوٹایا جائے گا۔ نیز موت کے بعد اجزائے بدنیہ کی کمی کو پورا کر دیا جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کمی ہمارے علم میں ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ." (ق:۴)

ترجمہ... "ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان میں سے (یعنی سب مٹی نہیں ہو جاتی، جان سلامت رہتی ہے) اور ہمارے پاس کتاب ہے، جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔"

یعنی جہاں کہیں اجزائے بدن تحلیل ہو کر منتشر ہو گئے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

علاوہ ازیں وہ اپنے واقف کاروں کو پہچانیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ" (یونس:۴۵) (ایک دوسرے کو پہچانیں گے)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "الدرۃ الفاخرۃ" کے ص:۲۶ میں حیات انسانی کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔

پہلی زندگی: یعنی تخلیق سے قبل جب عالم ارواح میں عہد الست لیا گیا،

چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: "ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ" (الاعراف: ۱۷۲) یہ لفظ نفس اور ذریت دونوں کسی کی موجود پر دلالت کرتے ہیں۔

دوسری زندگی: جس کو قرآن مجید نے "الحیٰوۃ الدنیا" سے تعبیر فرمایا۔

اور تیسری زندگی: جو الفاظ قرآنی میں "الحیٰوۃ الاُخریٰ" ہے۔

مزید براں اس جسد عنصری سے پہلے بھی انسان، انسان ہی ہوتے ہیں، مگر قابلِ ذکر نہیں ہوتے، قابلِ ذکر اس وقت ہوتے ہیں جب ان کو قوتِ عمل کے تمام آلات، سمع، بصر، فواد دے دیئے جاتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا. اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا" (الدہر: ۱، ۲)

ترجمہ: "بے شک گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی۔ ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر کر دیا ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا۔"

مگر وہ وجود پاک جو شروع سے ہی اطاعت سے سرشار اور معصیت کے عمل سے منتفی ہوتے ہیں، وہ اس آب و گل کے مرحلے سے پہلے بھی قابلِ ذکر ہوا کرتے ہیں، وہ اس وقت بھی آلاتِ ظاہرہ کے بغیر ادراک و شعور سے مشرف ہوا کرتے ہیں، حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہم السلام کا مکالمہ دربارۂ قضا و قدر صحیح حدیثوں، بلکہ صحیح بخاری جلد دوم میں موجود ہے، کما فی الدرۃ الفاخرۃ ص: ۱۷، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادراک و شعور، ان شعور سے بھی کامل تر ہے۔ نسیم الریاض شرح شفا ج ۱ ص: ۳۵۴ میں ہے:

"كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ" اور بعض روایات میں ہے کہ:
"كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" (میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے یا روح اور جسد میں تھے)۔ مقصد یہ ہے کہ: "ثَبَتَتْ لِيَ النُّبُوَّةُ" یعنی میرے لئے اس وقت نبوت ثابت ہوئی اور شہرت میں آئی جبکہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کا وجودِ مبارک بھی نہ بنا تھا، کمافی شرح المصابیح۔ ظاہر ہے کہ جب نبوت ثابت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم وادراک بھی اس وقت سے حاصل ہوئے ہوں گے، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو تھے، مگر ادراک وشعور بعد میں ہوا۔ یہ بھی نبی کا ایک امتیازی وصف ہے۔ اسی ادراک وشعور کی دنیا میں انبیاء علیہم السلام سے ایک خاص عہد لیا گیا، اور مکلف قرار دیئے گئے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

الف:... "وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ .... الآية."
(آل عمران:۸۱)
ترجمہ:... "جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا... الخ۔"

ب:... "وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ .... الآية" (الاحزاب:۷)
ترجمہ:... "جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا... الخ۔"

الغرض تمام علمائے ملتِ اسلامیہ اس امر میں متفق ہیں کہ موت فنائے کامل کا نام نہیں، بلکہ صرف زندگی کے ایک پلیٹ فارم سے اتر کر دوسرے پر جانے کا نام ہے، اس لئے ادراک وشعور اور سرور وغم اس ظاہری موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اسی لئے شارع علیہ السلام کی جانب سے اہلِ قبور اور موتی پر سلام وتلقین تجویز فرمائی گئی ہیں۔ علامہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کتاب الروح ص:۵ و ۸ میں فرماتے ہیں:

"والسلف مجمعون على هذا وقد تواترت

الآثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحي ويستبشر
به."

ترجمہ: "سلف اس بات پر متفق ہیں، اور ان سے
متواتر آثار و اخبار آچکے ہیں کہ میت زیارت کرنے والے زندہ
کو پہچانتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔"

امام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"ان الشهداء بل كل المؤمنين اذا زارهم
المسلم وسلم عليهم عرفوا به وردوا عليه السلام، فاذا
كان هذا في احاد المؤمنين فكيف بسيد المرسلين
صلى الله عليه وسلم." (وفاء الوفاء، ج۴، ص۱۳۵۱)

ترجمہ: "شہداء اور تمام مومنوں کی جب کوئی مسلمان
زیارت کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچانتے ہیں
اور سلام کا جواب دیتے ہیں، جب عام مومنین کا یہ حال ہے تو
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (کی حیات) کا کیا عالم ہوگا؟!"

فصل ثانی:

انبیاء علیہم السلام دنیوی وفات کے بعد بھی جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔
جاننا چاہئے کہ تمام اہل سنت والجماعت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہل حدیث اور نجدی
وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام دنیوی وفات کے بعد اعلیٰ، افضل
اور اکمل تر مقام، درجات اور قرب کمال پر فائز المرام ہیں، مگر حضور پر نور خاتم الانبیاء
والمرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر زیادہ مقرب

اور "فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِر" کے مقام پر سرفراز ہیں، مگر چونکہ "القلیل کالمعدوم" کے مصداق بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس طرح کی موت کے قائل تھے جیسے کہ دوسرے انسانوں کی موت ہوتی ہے، تو اس پر امام بیہقیؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے ان کی تردید میں حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر رسائل تحریر فرمائے اور اُمت مرحومہ پر احسان فرمایا ہے، جزاھم اللہ تعالیٰ عنا خیرا!

فائدہ:... اس وقت اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی موت کو عام انسانوں کی موت کی طرح سمجھا جاتا ہو، بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ دنیوی وفات کے بعد انبیاء کی حیات برزخی رُوحانی ہے یا جسمانی برزخی ہے؟ ہمارے اکابرِ دیوبند وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ برزخی جسمانی کے اس طور قائل ہیں کہ حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسی وجود پاک کے ساتھ اپنے روضۂ مبارک میں اسی طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح آپؐ اس دُنیا میں تشریف فرما تھے، جیسا کہ ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" نومبر ۱۹۵۷ء ص:۸، "آبِ حیات" مؤلفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے، اور "المہند علی المفند" (مطبوعہ کتاب خانہ اعزازیہ دیوبند) کے ص:۱۳ میں ہے:

> "پانچواں سوال:... کیا فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے؟ یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات؟
>
> جواب:... ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے، بلامکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء

علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں، بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" میں یہ تصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ: انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دُنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے، کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے.....الخ۔

پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دُنیوی ہے، اور اس معنی پر برزخی بھی ہے کہ عالمِ برزخ میں حاصل ہے.....الخ۔"

اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج:۲ ص:۵۸ مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند ضلع سہارنپور میں ہے:

"سوال:... انبیاء علیہم السلام احیاء اند؟ حیات چہ معنی دارد؟ اقسام حیات نیز تحریر فرمایند! چنانچہ حیاتِ شہداء حیاتِ اولیاء و حیاتِ انبیاء وغیرہ۔

جواب:... انبیاء علیہم السلام در قبور خود زندہ اند، و ایں قدر از حدیث معتبر ثابت است کہ فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ حرام کردہ است بدن ہائے انبیاء بر زمین و امثال آں، ایں قسم احادیث در شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور سیوطیؒ باستیعاب آوردہ است فقط، واللہ تعالیٰ اعلم! (محمد شفیع غفرلہ)۔"

فائدہ:... پس ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا ثابت ہوا، دوم یہ کہ قبر میں جو رزق دیا جاتا ہے وہ اس عالم کے مناسب ہوتا ہے، گو شہداء کے لئے بھی حیات اور رزق دیا جانا وارد ہے، مگر انبیاء کی حیات اور مرزوقیت ان سے اکمل واقویٰ ہے۔

تیسری روایت:... بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."

(المواهب اللدنیہ ج:۵ ص:۳۳۲)

ترجمہ:... "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں۔"

فائدہ:... مدارج النبوۃ جلد دوم میں اس کی اسناد کی توثیق کی ہے۔

فائدہ:... یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لئے ہے۔

(کذا فی تنویر الحوالک فی رؤیۃ النبی والملک ص:۳۷)

اس حیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ہر جگہ سے درست نہیں، کیونکہ مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"من صلّٰی عليّ عند قبري سمعته، ومن صلّٰی عليّ نائيا ابلغته رواه البيهقي في شعب الإيمان."

(مشکوٰۃ ص:۸۷)

ترجمہ:... "جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے، میں اس کو سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔"

جیسا کہ مشکوۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام. رواہ النسائی والدارمی." (مشکوۃ ص ۸۶)

ترجمہ:... "بے شک اللہ تعالیٰ کی جانب سے زمین میں ملائکہ مقرر ہیں جو میری اُمت کی طرف سے مجھ تک سلام پہنچاتے ہیں۔"

چوتھی روایت:... میں ہے کہ:

"مررت علی موسیٰ لیلۃ أسری بی عند الکثیب الأحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ."

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۶۸)

ترجمہ:... "جس رات معراج ہوئی میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔"

پانچویں روایت:... میں ہے کہ:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمرسلین لیلۃ أسری بہ رکعتین، وانہ سلم علی ھارون فدعا لہ بالرحمۃ ولأمتہ، وانہ سلم علی الرسی فدعا لہ بالرحمۃ ولأمتہ."

(درۃ الفاخرۃ ص:۱۱۵، مجموعہ رسائل امام غزالی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ترجمہ:... ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں رسولوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام پر سلام کیا اور انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے رحمت کی دُعا کی، اور حضرت ادریس علیہ السلام پر سلام کہا اور انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے رحمت کی دُعا کی۔''

چھٹی روایت:... میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال: یا محمد! لاجیبنہ۔''

(ترجمان السنۃ ج:۳ ص:۴۲۳، بحوالہ روح المعانی)

ترجمہ:... ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عیسیٰ بن مریم ضرور اُتر کر رہیں گے، اور اگر وہ میری قبر پر آکر کھڑے ہوں گے، اور مجھ کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔''

ساتویں روایت:

''ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔'' (مشکوٰۃ ص:۸۶)

ترجمہ:... ''جو کوئی میرے پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری رُوح واپس کرتا ہے، اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

مندرجہ بالا روایت کا خلاصہ یہ نکلا کہ سب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں اور روضۂ اقدس میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جلد اول ص:۱۵۳ میں ہے کہ:

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مؤمنین وشہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی، بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔"

"مدارج النبوۃ" (ج:۲ ص:۵۷۵، مطبوعہ لکھنؤ) میں ہے:

"بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء امت ہیچ کس را خلاف نیست دراں کاملتر وقوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ کہ آن معنوی اخروی است عند اللہ وحیات انبیاء حیات حسی دنیاوی است۔"

ترجمہ:... "جاننا چاہئے کہ حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے تمام علماء کے نزدیک، کسی کو اس میں اختلاف نہیں، شہداء ومقاتلین فی سبیل اللہ کی حیات معنوی اخروی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اور انبیاء علیہم السلام کی حیات حسی دنیاوی ہے۔"

"اشعۃ اللمعات" (ج:۱ ص:۶۱۳) میں ہے کہ: "وحیات انبیاء متفق علیہ است۔" یعنی حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے۔

"انباء الاذکیاء" للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ:

"حیاة النبی صلی الله علیه وسلم فی قبره وهو

وسائر الأنبياء معلومة عندنا علمًا قطعيًا لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار ولقد ألف البيهقي جزأ في حياة الأنبياء في قبورهم۔"

(انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء للسیوطی ج:۲ ص:۱۴۷ طبع بیروت)

ترجمہ:... "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات علم قطعی سے ہمارے نزدیک ثابت ہے، اس لئے کہ دلائل اور متواتر اخبار اس پر قائم ہیں۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک رسالہ لکھا ہے۔"

"بذل المجهود في حل أبي داؤد" (ج:۳ ص:۱۱۷) میں ہے کہ:

"أن نبي الله صلى الله عليه وسلم حيّ في قبره كما أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم، ولا فرق بين أن يكون فوق الأرض أو تحت حجابها كما لا فرق في حضوره وغيبته في زمان حياته صلى الله عليه وسلم."

ترجمہ:... "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کہ زمین کے اوپر ہوں یا پردے کے نیچے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارک کے وقت میں روبرو بھی ہوتے تھے اور آنکھ سے غائب بھی ہوتے تھے۔"

اسی طرح "فتح الباری" (ج:۳ ص:۳۱۳) میں فرماتے ہیں:

"الأنبياء أحياء عند ربهم يرزقون، فلا مانع ان

یحجوا فی ھذا الحال کما ثبت فی صحیح مسلم من حدیث انس رضی اللہ عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای موسٰی قائمًا فی قبرہ یصلی۔"

ترجمہ:۔ "انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے قرب میں زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، پس کوئی چیز مانع نہیں کہ اس حال میں حج کریں، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔"

اور ابوداؤد باب زیارۃ القبور کے حاشیہ میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر وضاحت فرمائی ہے:

"وجاء فی الروایۃ انہ یعطی للمیت فی یوم الجمعۃ الادراک اکثر مما یعطی فی سائر الأیام۔"

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۰۵)

ترجمہ... "روایت میں وارد ہے کہ میت کو جمعہ کے دن دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ ادراک دیا جاتا ہے۔"

اسی طرح نسائی باب اکثار الصلوٰۃ یوم الجمعۃ ص:۱۵۵ کے حاشیہ میں ہے:

"والجواب بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ان اللہ حرم .... الخ) کنایۃ عن کون الأنبیاء أحیاء فی قبورھم۔"

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "ان اللہ حرم ...." اس بات سے کنایہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی

اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

"باب صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام" ص:۱۸۵ کے حاشیہ:۱۲ میں واضح فرمایا ہے کہ:

"(یصلی فی قبرہ) قال الشیخ بدر الدین الصاحب ھذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذلک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ۔"

ترجمہ:... "شیخ بدرالدینؒ فرماتے ہیں کہ: یہ "یصلی فی قبرہ" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں صریح دلیل ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھنے اور قبر میں کھڑے ہونے سے متصف فرمایا ہے، اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنا صرف روح کی صفت نہیں، بلکہ روح مع الجسد کی صفت ہوتا ہے، پھر قبر کی تخصیص کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے، پس اگر وہ روح کے اوصاف سے ہوتا تو اس سے حجت پکڑنا صحیح نہ ہوتا۔"

مدارج النبوۃ ج:۲ ص:۴۵۷ میں اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"... فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا: یا رسول اللہ! وکیف

تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت؟ قال: یقولون بلیت، قال: ان اللّٰہ حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء "

(مشکوٰۃ ج ص ۱۲۰)

ترجمہ... "جمعہ کے روز مجھ پر درود شریف کثرت سے پڑھا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا: کیسے پیش کیا جائے گا، آپ تو قبر میں مٹی ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست، حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی چنانکہ شہداء راست۔" (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

ترجمہ... "حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں اختلاف نہیں، حیات انبیاء علیہم السلام حسی دنیاوی ہے، محض معنوی ارواح نہیں، جیسا کہ شہداء کی (روحوں کو پرندوں کے پیٹ میں ڈالا جاتا) ہے۔"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاعتقاد والہدایۃ الی سبیل الرشاد" میں فرماتے ہیں کہ:

"ان اللّٰہ ردّ علی الأنبیاء أرواحھم وھم أحیاء عند ربھم کالشھداء "

(کذا فی انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء للسیوطی مع الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۹)

ترجمہ: "انبیاء علیہم السلام کی ارواح (قبض ہونے کے بعد) ان کی طرف واپس کی جاتی ہیں، پس وہ شہداء کی طرح اللہ کے قرب میں زندہ ہیں۔"

اور شرح تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک (ص ۵۸ مطبوعہ مصر) میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"علامہ ابن حجر مکیؒ اپنی کتاب "شرح ہمزیہ" میں لکھتے ہیں کہ:

حیات انبیاء علیہم السلام کی حدیثیں بہت ہیں، جن کو امام بیہقیؒ نے ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اعلیٰ و اتم ہے، جس کی تصریح قرآن مجید میں: "بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ" کی شکل میں موجود ہے۔"

فصل ثالث:

مسئلۂ حیات کتبِ اہلِ حدیث سے:

نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب نخ الکرامت ص ۲۸۵ میں لکھتے ہیں:

"ابن جوزیؒ نے بسند متصل سعید بن المسیبؒ سے لایا ہے کہ سعید مذکور نے فرمایا کہ واقعۂ حرہ میں مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بجز میرے اور کوئی نہ تھا، اہل شام جب مسجد میں آتے تو کہتے کہ یہ بوڑھا دیوانہ اس جگہ کیا کرتا ہے؟" اور فرمایا

ظاہر ہے کہ زہر دے کر کسی کو مارا جائے تو اس کے شہید ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اور قرآنی تصریحات سے شہداء کا زندہ ہونا ثابت ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شبہ نہیں، جب شہداء کی حیات ثابت ہے تو انبیاء و رسل تو شہداء سے کئی مراحل آگے ہیں، شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ..... الاٰية." (آل عمران:۱۷۰،۱۶۹)

ترجمہ:... "بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، کھاتے پیتے اور خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس، ان کے پیچھے سے۔"

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لئے پانچ چیزیں فرمائیں:

۱:... تم ان کو مردہ مت سمجھو۔

۲:... وہ زندہ ہیں۔

۳:... ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

۴:... وہ اپنی اس اُخروی زندگی پر خوش و خرم ہیں۔

۵:... پس ماندگان کو بشارت بھیجتے ہیں۔

کیا یہ صفات مُردوں کی ہیں؟ یا محض رُوحانی حیات کی ہیں؟ فافہم!

حالانکہ شہداء میں سے بعض وہ ہیں جن کی رُوح نکلنے کے ساتھ ساتھ ان کے بدن بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جاتے ہیں، اور بعض کو جلادیا جاتا ہے، اور راکھ کو

بھی ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے، انبیاء ان کے ساتھ یہ معاملات رکھتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نہایت زوردار الفاظ سے کہتا ہے کہ ان کو مردہ مت کہو! اور مت سمجھو! وہ تو زندہ ہیں، خوش ہیں... الخ۔

نیز ہمارا اور کثیر کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے صلحاء و شہداء کی نعشیں صدیوں کے بعد اپنی قبروں سے تر و تازہ نکلیں، اور ان کے جسام پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ تھا، تنویر الحوالک فی رؤیۃ النبی والملک ص:۴۳ میں ابونعیم نے یوسف بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ:

"سمعت ثابتاً یقول لحمید الطویل۔ هل بلغک یا ابا عبید ان احدا یصلی فی قبره الا الانبیاء قال: لا۔ قال ثابت: اللّٰهم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبره فأذن لثابت ان یصلی فی قبره... والله الذی لا اله الا هو ادخلت ثابتاً البنانی لحده ومعی حمید الطویل قال: فلما سوینا علیه اللبن سقطت لبنة فاذا انا رأیناه یصلی فی قبره۔" (حیاۃ الانبیاء ج:۲ ص:۳۱۹)

ترجمہ... "میں نے ثابت سے سنا، وہ حمید طویل کو کہتا تھا کہ: کیا کوئی خبر بھی ملی کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا بھی قبر میں نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا: نہیں سنا! ثابت نے فرمایا: اللّٰھم! (یعنی دعا کی، وہ کی)۔ اور جسیرؒ سے روایت ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں نے ثابت بنانی کو قبر میں داخل کیا، اس موقع پر حمید طویل بھی ساتھ تھا، جب ہم نے اس پر اینٹیں برابر کردیں تو اچانک ایک اینٹ گرگئی، تو ہم

نے دیکھا کہ ثابت قبر میں نماز پڑھ رہا تھا (اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرمایا)۔"

ترمذیؒ، بیہقیؒ اور حاکمؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا قبر فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! ضربت خبائي على قبر وانا لا أحسب انه قبر فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر."

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... "بعض اصحاب حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے اوپر خیمہ گاڑا، اور اس کو خبر نہ تھی کہ یہ قبر ہے اس میں سے سورۃ "تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ" سنی، حتیٰ کہ اس نے سورۃ کو ختم کیا۔ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آکر خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ سورۃ عذاب قبر کو روکنے والی اور عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے۔"

"قال أبو القاسم السعدي في كتاب الروح: هذا التصديق من النبي صلى الله عليه وسلم بأن الميت يقرأ في قبره، فان عبدالله أخبره بذلك، وصدقه رسول الله صلى الله عليه وسلم." (شرح الصدور ص:۱۹۰)

ترجمہ: ”ابوالقاسم سعدیؒ نے کتاب روح میں فرمایا
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کر دی کہ میت بھی قبر
میں پڑھتی ہے، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے اس واقعہ کی خبر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
کی تصدیق فرمائی۔“

اور شیخ نجم الدین اصبہانی سے مروی ہے کہ:

**”انہ حضر رجلا یدفن، فقعد الملقن یلقنہ،
فسمع المیت وھو یقول: الا تعجبون من حیث یلقن
میتا“** (شرح الصدور ص ۲۰۶)

ترجمہ: ”ایک جوان کے دفن پر حاضر ہوا تو تلقین
کرنے والا قبر پر اس کو تلقین شہادت کر رہا ہے، اور دفن ہونے
والے سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ کیا تعجب نہیں کرتے ایسے
مردے سے کہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔“

اس کی مثل متعدد واقعات کتب یافعی اور قشیری میں کثیر ہیں۔

بیہقیؒ نے روایت کیا کہ فاطمہ بنت خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہا کہ **”السلام علیک یا عم رسول اللہ“** انہوں نے جواب دیا: **”علیکما وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔“** (شرح الصدور ص: ۲۰۰) اس کے علاوہ ایسے واقعات کثیر ہیں۔

”ازالۃ الخفاء“ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

”زمانہ خلافت فاروقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی

نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فوراً کسی نے کھجوروں کی ایک پلیٹ خدمتِ اقدس میں پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو دو کھجوریں دیں، مگر ان کے جی میں آیا کہ اگر تیسری بھی مل جاتی تو بہتر تھا، آنکھ کھل گئی، مسجد تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی، فوراً کسی نے ایک پلیٹ کھجوروں کی پیش کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی خدمت میں دو کھجوریں پیش کر دیں، آپؓ کو وہ رات والا واقعہ یاد آ گیا، اور دل میں اس خیال کی یاد تازہ ہو گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تیسری کھجور عنایت فرماتے تو میں دے دیتا، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دو ہی دی تھیں، اس لئے میں بھی دو ہی دوں گا۔"

بظاہر زیارت تو صرف حضرت علیؓ کو ہوئی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس واقعے کا علم کرا دیا تھا۔

مقدمہ فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر امور میں اسی صورتِ مقدس میں جس میں آپ تھے، بار بار دیکھا، (حتیٰ کہ فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام حج کیا کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں۔" (فیوض حرمین ص ۲۲)

فائدۂ عجیبہ:

سوال:۔ آپ کا یہ فرمانا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، آیت شریفہ: "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" (الزمر:۳۰) کے خلاف ہے، آیت میں صاف واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ہوجانے یا نہ ہونے میں اختلاف ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا۔ پھر حیات کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟ نیز جب مشاہدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر انور میں آرام فرما ہیں، تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہاں سے باہر حج وغیرہ کے لئے تشریف لے جائیں یا وہاں بھی زندہ ہوں؟

جواب:۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاتی، نہ وہ بوسیدہ ہوتا ہے۔ اور تمام موتیٰ کے لئے روح کا واپس ہونا حدیث صحیح میں موجود ہے، جس سے سوال منکر نکیر ہوتا ہے، شہداء اور انبیاء تو ہزاروں درجے اوپر ہیں، پھر اب یہ ہے کہ جسم میں روح آکر واپس بھی جاتی ہے یا دائم و مستمر بھی رہ سکتی ہے؟ تو حق تعالیٰ زور دار الفاظ میں فرماتا ہے کہ ان کو مردہ گمان بھی نہ کرو: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ ... الخ" (آل عمران:۱۶۹) کھاتے پیتے ہیں، خوش ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو ان سے ہزاروں درجے بالاتر ہیں، جب شہداء زندہ ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور جنت میں آتے جاتے ہیں اور دُنیا میں بھی آتے جاتے ہیں، جیسا کہ حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ:

"بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس،

وأسماء بنت عميس قريبة منه اذ ردّ السلام، وقال: يا أسماء! هذا جعفر مع جبريل وميكائيل مرّوا فسلّموا علينا." (شرح الصدور، ص ۲۴۳)

ترجمہ: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور اسماء بنت عمیس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر ہے، جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ گزرے اور ہم پر سلام کہا۔“

تو کیا بعید ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی جسمِ عنصری کے ساتھ زندہ ہوں، اور نماز بھی پڑھیں اور حج بھی کریں، اور آیت: ”إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ“ (الزمر ۳۰) اس کے مخالف نہیں، اس لئے کہ کون کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام پر موت نہیں آئی؟ بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ظاہری موت کے بعد بھی قبر مبارک میں بہ جسمِ عنصری زندہ ہیں یا نہ؟

نیز روح تو ہر خاص و عام کی زندہ ہے، کیونکہ روح ان اشیاء میں سے ہے کہ اس پر فنا نہ آئے گی، جیسے حور و غلمان وغیرہ، کما عند الجمہور، پس: ”اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ“ (رواہ البیہقی عن انس رضی اللہ عنہ ووافقہ الحافظ ابن حجر کما فی الجلد السادس فی فتح الباری کما مرّ) کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر مبارک میں عباداتِ طیبہ اور افعالِ مبارکہ سے معطل نہیں، بلکہ وہ قبر میں بھی اسی طرح عبادات، مثلاً: حج، نماز وغیرہ میں مشغول ہیں، جیسا کہ دنیا میں تھے، اسی طرح ان کے تابعین کا حال علیٰ قدر المراتب ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو دنیا میں عبادات سے معطل تھے، وہ قبر میں بھی معطل ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”مَنْ كَانَ فِيْ

هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى " (بنی اسرائیل:۷۲) یعنی وہ شخص جو دنیا میں نابینا ہے (یعنی اعمالِ صالحہ واعتقادِ صحیحہ سے معطل ہے) وہ آخرت میں بھی معطل ہے۔

پس حیات کا معنی یہ ہے کہ حیات کے ہوتے ہوئے زندوں والے کام کرتے ہیں اور ممات کا مطلب یہ ہے کہ باوجود زندہ ہونے کے، روح زندوں کے نیک افعال سے معطل ہے، جیسا کہ محاورہ میں آوارہ اور نالائق کو مردہ، اور نیک خصائل کو زندہ کہتے ہیں، اور حدیث میں ذاکر کو زندہ اور غافل کو مردہ فرمایا ہے، اسی طرح علم کو حیات اور جہل کو موت سے تعبیر کرتے ہیں، پس کافر میت ہے، کیونکہ وہ قبر میں میت ہے، یعنی تمام خیرات اور نیک کام کرنے سے معطل ہے، اس کو سوائے فریاد و فغاں کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

میت کے یہ معنی نہیں کہ اس کی روح فانی ہے، کیونکہ ارواح خبیثہ جو افعال کرتی ہیں، ان کو افعالِ حیات نہیں کہا جاتا۔ پس بیہقی کی حدیث میں حیات باعتبار افعال کے ہے، اس لئے جہاں کہیں بھی کسی کی حیات ذکر کی جاتی ہے، وہاں اس کے افعال کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی حیات پر دلیل ہو، اس تقریر سے اس حدیث: "مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" جو کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے تو مجھ پر میری روح رد کی جاتی ہے کا مطلب یہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اب یہ تو سمجھ میں آگیا کہ روح واپس کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ روح پہلے نہ تھی، سلام کے جواب دینے کے وقت واپس آتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے حیاتِ ابدی کیسے ثابت ہوئی؟

جواب:... فیض الباری علی صحیح بخاری میں اعادۂ روح کا معنی بتلاتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

"ليس معناه انه يرد روحه أي انه يحيى في قبره، بل توجه من ذلك الجانب الى هذا الجانب فهو حيٌ صلى الله عليه وسلم في كلتا الحالتين بمعنى انه لم يطرأ عليه التعطل قط."

(فیض الباری علی صحیح البخاری ج:۴ ص:۶۵)

ترجمہ... "ردِ روح کا یہ معنی نہیں ہے کہ قبر میں پھر زندہ کئے جاتے ہیں، بلکہ یہ معنی ہے کہ روح کی توجہ جو تجلیات واردہ میں تھی، ورود کے وقت اس کی توجہ سلام کے جواب کی طرف کردی جاتی ہے۔ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حالتوں میں زندہ ہیں، یعنی کسی وقت بھی ان کو تعطل نہیں ہوا۔"

اور "فیض الباری" ج:۳ ص:۱۳۹، ۱۴۰ پر ہے کہ علم دو قسم پر ہے، ایک وہ جو ہمارے لئے محسوس و مبصر ہے، اس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس کو عالم الشہادۃ کہتے ہیں، دوم وہ کہ جس کا اخبارِ شرع سے ہم کو علم ہوا، اس کا نام عالم الغیب ہے۔

شریعت کبھی ظاہر حس پر احکام مرتب کرتی ہے، گو واقع میں اس کے خلاف کا امکان ہو، جیسے فرمایا: "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا" (یٰس:۳۸) سورج کے آنے جانے کا کون انکار کرسکتا ہے؟ ظاہر حس میں جو تھا فرمایا، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان چل رہا ہو اور اس کے چلنے سے سورج چل رہا ہو، اسی ظاہر کو فرمایا کہ سورج چل رہا ہے، اور ممکن ہے کہ آسمان میں گھس کر سورج چل رہا ہو، اور آسمان ساکت ہو۔

اور کبھی حقیقت پر آگاہی دی جاتی ہے، جیسے قبر کا عذاب جن و انس کے سوا سب سنتے ہیں، مگر حواسِ ظاہری ان کے سننے سے معطل ہیں، جیسے نیند والے پر

حالات تو عجیب غریب گزرتے ہیں، مگر جاگنے والا نہیں دیکھ سکتا۔

اسی طرح عالم غیب یعنی برزخ والے کے حالات کچھ اور ہیں اور عالم ظاہر دُنیا کے کچھ اور ہیں، عالمِ ظاہر کے اعتبار سے فرمادیا کہ: "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" ممکن ہے کہ اسماع کی نفی ہو، یعنی جو سننے کے اسباب و آلات ہیں، وہ مرنے سے معطل ہیں، لہٰذا آپ نہیں سنا سکتے۔

ہاں! البتہ عالمِ برزخ کے حالات دُوسرے ہیں، وہ اس باعث سے کچھ سن سکتے ہیں، جیسے فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" (فاطر:۲۲) اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو سنادے، پس ظاہر حس میں معطل ہونا اس کے منافی نہیں کہ عالم غیب میں اس کے مناسب حالات، واردات، کیفیات، تجلیات، قراءۃِ قرآن، صلوٰۃ، عبادات اور اذان وغیرہ سے متلذذ ہوں، یا دُنیا میں عبادت سے تعطل اور محروم ہونے کی وجہ سے وہاں قبر میں بھی خائب و خاسر ہوں۔ لہٰذا اس کے لئے شرح الصدور للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رُجوع کرنا بہتر ہے، اور اہلِ کشف کے نزدیک اس کے علاوہ دُوسری قسمیں بھی ثابت ہیں، لہٰذا ہم اس کا انکار نہیں کرسکتے جب تک کہ شریعت صراحتاً اس کا انکار نہ کرے۔

(ملخص ما فی فیض الباری علی صحیح البخاری ج:۲ ص:۴۷)

اسی کتاب کے اسی صفحے پر ہے کہ: جو شخص رات کو عبادت سے اور دن کو روزہ سے زندہ اور آباد رکھتا ہے، قبر میں اس کی آنکھیں عبادت سے ٹھنڈی کی جائیں گی، اور معطل و بے کار نہ چھوڑا جائے گا، پس بعض وہ ہوں گے جو قبر میں آرام کی نیند سوئیں گے، یہاں تک کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آنکھیں مل کر اُٹھیں گے اور کہیں گے: "مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا" اور بعض وہ ہوں گے کہ صبح و شام آگ پر پیش

کئے جائیں گے، معاذ اللہ!

فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص: ۴۱۹ میں ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ وان اعمالہ مضاعفۃ فیہ اکثر من مضاعفۃ عمل کل احد۔"

ترجمہ:... "حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہر ایک کے عمل سے مضاعف در مضاعف ہیں۔"

امام سیوطی رحمہ اللہ نے حدیث زوح کے چندرہ جواب دیئے ہیں، ان کا خلاصہ وہ ہے جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکاتیب ج:۱ ص:۲۵۱ میں بیان فرمایا ہے کہ:

"یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ، بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندرونِ نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔" (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج:۱ ص:۲۵۱ مدنی کتب خانہ گوجرانوالہ)

اور یہ جواب بھی فرمایا کہ اگر لفظ ("الا رد اللہ علیّ روحی" کے بجائے) "الیّ روحی" فرمایا گیا ہوتا تو شبہ وارد ہوسکتا تھا، اس لئے کہ "الیّ" اور "علیّ" میں فرق ہے، "علیّ" استعلاء کے لئے اور "الیٰ" نہایت غایت کے لئے ہے، اس سے

تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ و سلام سے پہلے روح کا تعلق نہ تھا:
غرض یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم
مقدس کی طرف لوٹایا گیا ہو۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارج قرب و
معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لئے توجہ الی اللہ کا
انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کرتا ہے،
چنانچہ اب استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں، مگر جب
حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے،
اس لئے بارگاہ احدیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل
فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی
گئی کہ خود سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کو اس استغراق سے
منقطع کر کے درود والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے، اور آپ
(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔"

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۵۱ مدنی کتب خانہ گوجرانوالہ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"روحانیہ قوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اور
اصل ارواح باقیہ، خصوصاً ارواح مؤمنین امت محمدی، تو جو سا
امتی آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا،
ارتداد (لوٹنا) جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا
ارتداد (لوٹنا) باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا، پر موجب زوال

استغراق مطلق نہ ہوگا، آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں۔"

(آبِ حیات ص: ۱۵۶، ۱۵۷، مطبوعہ: مطبع قدیمی دہلی)

یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ اور اصل، ارواح باقیہ، خصوصاً ارواح مؤمنین اُمت ہیں، تو جونسا اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ از شعبہائے لوٹے گا، اور تمام شعبوں کا لوٹنا لازم نہیں، اور ظاہر ہے کہ اس شعبے کا لوٹنا باعث اطلاعِ سلام تو ہو جائے گا، مگر موجب زوال استغراق نہ ہوگا، آخر شعب کثیر اور بھی ہیں اور غیر متناہی ہیں۔

اس تقریر سے وہ اعتراض کہ جب تمام اقطار ارض سے سلام بھیجے جاتے ہیں اور کوئی ساعت بھی خالی نہیں رہتی، تو پھر حضرتِ الٰہی تعالیٰ کے شہود کے لئے کب فراغت ہوگی؟ خود بخود دفع ہو گیا، اس لئے کہ تمام شعبوں کو تو درود بھیجنے والے کی طرف نہیں لوٹایا جاتا، اس میں سے کوئی ایک شعبہ ہوتا ہے جس کو متوجہ کیا جاتا ہے، اس سے استغراق میں کمی نہیں آتی۔

نیز آخرت کے معاملات عقل سے مدرک نہیں ہوتے، اور احوالِ برزخ، احوالِ آخرت کے مشابہ ہیں، ان کو دُنیا کے معاملات پر قیاس کرنا غلط بات ہے۔

(القول البدیع للسخاوی ص: ۱۶۷)

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ:

بیہقی کی ایک روایت میں ہے: "اِلَّا وَقَدْ رَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ رُوْحِیْ"

(حیاۃ الانبیاء امام بیہقی ص ۹۹، مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

اب کوئی اِشکال نہیں رہتا، اس لئے کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس پر سلام کا جواب دیتا ہوں، اس لئے کہ رُوح تو میری طرف پہلے سے واپس ہو چکی ہے۔

اس قدر دلیل بصیرت کو کافی و شافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

فصل رابع:

علمائے نجد کا اعتقاد:

کتاب "الهدية السنية والتحفة الوهابية النجدية" (مطبوعہ مصر) میں ہے کہ:

"ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے، وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں۔ ان کی حیات، حیات شہداء سے ... جو کہ قرآن مجید میں مصرح و منصوص ہے... افضل و اکمل ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلاشک و شبہ افضل ہیں، اور سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں۔"

اور شہداء کی حیات "یرزقون" اور "فرحین" کے قرینے سے برزخی و جسمانی حیات ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزرا، اور پیغمبر تو اس سے بدرجہا بالاتر ہیں۔

کتب فقہ سے حوالہ جات:

"نور الایضاح" جو فقہ کی مستند، محقق اور معتبر کتاب ہے اور علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، علامہ موصوفؒ اپنی اسی کتاب کے باب زیارۃ المدینہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حيّ يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات

غیر انہ احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات۔" (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص:۴۰۵)

ترجمہ... "جیسا کہ محققین کے ہاں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر مبارک میں) زندہ ہیں، نماز و عبادات وغیرہ سے نفع مند ہیں، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقامات پر پہنچنے کی وجہ سے ناقص و قاصروں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔"

اسی طرح "فتح القدیر" (ج۳ ص:۳۳۷ طبع مصطفیٰ محمد مصر) مقصد ثالث زیارت قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ حضرت ابن ہمام حنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برکات حقیقی، جسمانی، برزخی کے قائل ہیں اس لئے آپ فرماتے ہیں کہ

"..... محاذیا لرأس النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووجہہ الکریم ملاحظا نظرہ السعید الیک"

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص:۴۰۴)

ترجمہ... "زیارت کرنے والا پائے مبارک کی جانب سے آئے تاکہ زیارت کرنے والا حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک کی آنکھ سے آئے۔"

فصل خامس:

کتب تصوف سے حوالہ جات:

کتاب "الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" للامام العارف الربانی

چیزیں پیش کرتا ہے اس کتاب کے صفحہ ۱۱ میں ہے:

"امام غزالی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ارباب

قلوب اپنی بیداری میں ملائکہ اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام کو

دیکھتے ہیں اور ان کی آواز سنتے ہیں، اور ان سے فوائد

حاصل کرتے ہیں، پھر اس حال سے بھی ہو کر مشاہدہ صورتوں

اور امثال کا ہے، ترقی کر جاتا ہے، جس کا بیان مشکل ہے۔"

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں اور حافظ ابو نعیمؒ نے حلیہ میں حضرت

ربعی بن حراشؒ سے روایت کی ہے کہ:

"كنا اربع اخوة، وكان الربيع اخونا اكثرنا

صلوة واكثرنا صياما في الهواجر، وانه توفي فبينا نحو

حوله، وقد بعثنا من يبتاع لنا كفنا اذ كشف الثوب عن

وجهه فقال: السلام عليكم، فقال القوم وعليكم

السلام يا اخا بني عبس، أبعد الموت؟ قال: نعم! اني

لقيت ربي عز وجل بعدكم فلقيت ربا غير غضبان

واستقبلني بروح وريحان واستبرق، الا وان أبا القاسم

صلى الله عليه وسلم ينظر الصلوة علي فعجلوني ولا

تؤخروني ..... فنمى الحديث الى عائشة رضي الله عنها

فقالت: اما اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول: يتكلم رجل من امتي بعد الموت ..... هذا

حديث مشهور ....." (حلیۃ الاولیاء، ج ۴ ص: ۳۶۷، ۳۶۸)

ترجمہ: "ہم چار بھائی تھے، اور ہمارا بھائی ربیع بہت

نہیں کیا جب تک کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: شادی کرے!"

اور ص: ۲۰۹ میں شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہر ملکی کے متعلق کہا کہ

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے دیکھنے والے ایسے تھے، جو جاگتے اور نیند میں بھی، آپ کی زیارت کرتے تھے اور اکثر امور آپ سے حکم پا کر کرتے، تا آنکہ ایک رات میں ان کو سترہ بار زیارت ہوئی۔"

اور ص: ۳۰۷، ۸ میں لکھا ہے کہ:

"حاصل مجموعہ نقول اور احادیث کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اطہر اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اسی صورت (مقدس) کے ساتھ جو وفات سے پہلے تھی، اس سے کچھ تبدیل نہیں ہوا، ہاں آنکھوں سے غائب ہیں، جیسا کہ فرشتے غائب ہیں، اور زندہ ہیں اپنے جسم کے ساتھ، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کو زیارت کرانے کا ارادہ کرتے ہیں، تو ان کو اسی شکل و صورت میں دکھادیتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے، اس سے کوئی مانع نہیں، اور نہ اس کے کہنے کی ضرورت ہے کہ مثال میں دکھاتے ہیں۔" (تجلی ملخصاً)

فائدہ... مضمون سابق سے معلوم ہو گیا کہ فرشتگان اور انبیاء علیہم السلام بیداری میں بھی نظر آسکتے ہیں، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام، دحیہ کلبیؓ کی شکل میں، اور جنگ بدر و احد میں دوسرے فرشتے بھی بعض صحابہ کرامؓ کو نظر آئے، کما ھو مصرح فی الاحادیث، اور پیغمبر علیہم السلام بھی نظر آسکتے ہیں، کما نقل کثیراً فی

توبر الحولک فانظر ثمہ۔

پس بعض کا یہ کہنا کہ ہم کو صحابہ کرامؓ و تابعین میں سے کسی سے نہیں پہنچا کہ وفات کے بعد بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے ہوں، غلط ہے، وہ لوگ حدیث: "من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ" کی تاویل کرتے ہیں، اس کا جواب تنویر مذکور صفحہ ۱۵ میں دیا گیا ہے کہ بعد از وفات، بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا انکار کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ کرامات اولیاء کی تصدیق کرتا ہوگا یا انکار کرتا ہوگا، جو کرامات اولیاء کی تصدیق نہیں کرتا، اس کے ساتھ ہماری بحث نہیں، کیونکہ وہ شخص حق اور دلائل واضحہ سے ثابت شدہ امور کا منکر ہے، البتہ جو شخص ان کی تصدیق کرتا ہے، اس پر مخفی نہیں کہ یہ بھی خرق عادت ہے، اور اولیاء اللہ کو خرق عادت کے عالم علوی و سفلی کی چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ:

"... وقد كان يسلم علي حتى اكتويت فتركت ثم تركت الكي فعاد." (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۳)

حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کرتے تھے اور وہ داغ لگواتے تھے، جب داغ دے دیا تو سلام ہونا بند ہو گیا، پھر داغ دینا چھوڑ دیا تو پھر سلام ہونے لگے۔

"ومعنى الحديث: ان عمران بن الحصين رضي الله عنه كانت به بواسير فكان يصبر على المها وكانت الملائكة تسلم عليه فاكتوى فانقطع سلامهم عليه ثم ترك الكي فعاد سلامهم عليه."

ترجمہ۔۔۔ "اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا، وہ بواسیر کی تکلیف پر

ہوتا ہے، اس کی بیوی عدت گزارتی ہے اور عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لیتی ہے۔ (کذا فی سراج الوہاج والنہایہ) جبکہ انبیاء علیہم السلام کی حیثیت دنیوی احکام میں بھی ہے، چنانچہ ان کی ازواج مطہرات پر عدت نہیں، وہ نکاح نہیں کر سکتیں، ان کا مال تقسیم نہیں ہوتا، اور ان کی جنازے کی نماز دوسروں جیسی نہیں پڑھی جاتی، وغیرذالک۔

فائدہ:... حدیث: "مررت لیلۃ أسری بي بموسیٰ وھو قائم یصلي في قبرہ" یعنی میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام پر گزرا، تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے۔

اشکال:... ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے شواہد ہیں لہٰذا حدیث حسن ہے، کذا ذکر المناوی۔

جواب:... اگر یہ حدیث ضعیف ہے یا حسن ہے، تو وہ حدیث جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. لقد رأیتني في الحجر وقریش تسألني عن مسرای فسألتني عن أشیاء من بیت المقدس لم أثبتھا فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط قال فرفعہ اللہ أنظر إلیہ ما یسألوني عن شيء إلا أنبأتھم بہ وقد رأیتني في جماعۃ من الأنبیاء فإذا موسیٰ علیہ السلام قائم یصلي وإذا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قائم یصلي ... وإذا ابراھیم علیہ السلام قائم یصلي ... فحانت الصلوۃ فأممتھم ...."

(صحیح مسلم ج۱، ص ۹۶)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش معراج کے بعد بیت المقدس کے حالات در

چیزیں پوچھنے لگے جو وہ یاد نہ تھیں، تو سخت غم میں پڑ گیا، پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو مجھ پر ظاہر کر دیا، لہٰذا جو پوچھتے جاتے تھے، بتلاتا رہا، اور میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء علیہم السلام میں دیکھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، پھر نماز کا وقت آگیا اور میں نے سب کی امامت کی۔ پس یہ حدیث تو ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے۔

اشکال... بعض علماء کرام کو یہ وسوسہ ہوا ہے کہ فرد واحد میں ایک وقت سب امور کا اجتماع انسانی حالت سے بعید ہے کہ ایک وقت میں بیت المقدس میں بھی ہوں، پھر آسمان میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں، قبر میں بھی ہوں اور علیین میں بھی رہیں، جہاں مر کر چلے جاتے ہیں اور روضہ مبارک میں بھی ہوں!

جواب... اس کا جواب گزر چکا ہے کہ برزخ کو دنیا [illegible]، پھر روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے، اس میں تزاحم کا وسوسہ کرنا غلط ہے۔

اشکال... جب روح کو اتنی وسعت ہے، تو پھر دور سے کسی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارنا، اور اس سے مدد مانگنا جائز ہوگا!

جواب... یاد رکھنا چاہئے کہ جو امور دلیل شرعی سے ثابت نہیں، نفی ہیں یا مسکوت عنہا ہیں، ان کو ثابت ماننا یا جو چیز کبھی کبھی ثابت ہے، ہر وقت نہیں، اس کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، دور سے کسی زندہ یا مردہ نبی یا ولی یا کسی بزرگ کو حاجت روائی کے لئے یا مشکل کشائی کے لئے پکارنا شرعاً ثابت نہیں۔ "تزیین المعانی" نے آیت: "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" کی تفسیر میں اس کو منع فرمایا ہے، کیونکہ اگر پکارنا درست ہوتا تو واقعہ کربلا وغیرہ میں کیوں نہ پکارا گیا؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی روحانی حیات کا اعتقاد رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی ذاتہ

شدہ چیز کو قیاساً ثابت کیا جائے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ اس جگہ دو چیزیں ہیں، ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وفات حسرت آیات کے بعد کی زندگانی جسمانی و روحانی کا بطور کامل اکمل اعتقاد رکھنا، یا بقول فریق ثانی زندگی روحانی کامل تر کا یقین کرنا، فریق ثانی اپنے دعویٰ پر دلائل دیتا ہے اور مدعا کو ثابت کرتا ہے، جبکہ بندہ نے قول اول یعنی بعد وفات، حیات جسمانی روحانی کو حتی الوسع ثابت کیا ہے:

"گر قبول افتد زہے عز و شرف!"

دوم ایک حیات جسمانی و روحانی ماننے کے بعد ہم لوگ ان کو دور سے پکاریں، اور نفع و نقصان کوئی اسباب کا مالک مختار سمجھیں اور مدینہ منورہ حاضر ہو کر وہ چیزیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ممنوع ہیں یا شریعت سے منقول نہیں، نہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم سے صحیح طور مروی ہیں، نہ کسی قوی دلیل سے ثابت ہیں، نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے استنباطاً جائز رکھی ہیں، ہم ان کو جسمانی روحانی حیات کے اعتقاد پر قیاساً و اجتہاداً ثابت کریں اور چودھویں صدی کے مجتہد و بزرگ بن کر معاملہ کریں اور فتویٰ دیں، یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں...! ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب میں آجائیں، نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ!

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے، جوش محبت میں آکر بوسہ دینے کے ارادے سے کسی قدر جھک کر پھر سیدھے کھڑے ہوئے، کسی نے عرض کیا: ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا: ہم آئے ہیں راضی کرنے کے لئے۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے خلاف کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیں!

(کذا فی ملفوظات خواجہ صاحب حصہ چہارم)

خلاف شریعت کسے راہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

ترجمہ... "جس شخص نے شریعت کے خلاف راستہ
اختیار کیا وہ ہرگز منزل پر نہیں پہنچے گا۔"

تنبیہ:... ہمارے اکابر و اسلاف دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ، ہمارے مرشدین نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیاوی وفات کے بعد قبرِ مبارک میں جسمانی رُوحانی حیات سے زندہ ہیں، جو اس زندگی سے بھی افضل و اکمل ہے جو دُنیا میں تھی۔ اس کے دلائل پیش خدمت کئے، بعض دلائل تمام طور پر معترض ہیں، اور بعض دلائل رُوحانی حیات کے زیادہ مؤید ہیں، چونکہ ہمارے محققین، متأخرین کا مسلک ہر دو رُوحانی و جسمانی حیات کا ہے، اس لئے وہ دلائل ہمارے خلاف نہیں، کیونکہ رُوحانی حیاتِ مبارک کے ہم بھی قائل ہیں، فافہم ولا تکن من القاصرین!

غرض ابتداء میں بھی یہی عرض کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ اپنے احباب کی فہمائش کے لئے مختصر طور پر لکھا گیا ہے، کسی کی تردید، تشنیع یا تعریض کے لئے نہیں، اگر کسی کی فکر اس کے موافق نہیں ہے، تو وہ اپنا مافی الضمیر اپنے احباب کے لئے شائع کردے۔

اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین، من الصلوٰۃ والسلام افضلہما واکملہما، سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک، اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

۵/جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ

۴:... عالم ربانی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دام فیوضہم نے مسئلہ حیات النبی میں رسالہ "القول النقی" تحریر فرما کر اہل سنت والجماعت پر احسان فرمایا، حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالے کو نافع اور مشعل صراط مستقیم بنائے۔ آمین!

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

حضرت مولانا مفتی محمود کی تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد!

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر موت کا طاری ہونا قطعی ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ "انک میت وانہم میتون" الآیۃ اور قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: "فقد مات" اس کے شاہد صادق ہیں۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت سے حیات زائل ہوجاتی ہے یا صرف مستور ہوجاتی ہے، یعنی موت بمعنی رافع الحیاۃ ہے یا بمعنی ساتر الحیوٰۃ؟ بانی دار العلوم دیوبند حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے رسالے "آب حیات" میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے صرف حیات مستور ہوئی ہے، زائل نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عامۃ المؤمنین کی موت سے ممتاز قرار دے کر وضاحت سے لکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔ اس میں انقطاع یا تبدل، تغیر جیسے حیات دنیوی کا حیات برزخی ہوجانا واقع نہیں ہوا،

انتہیٰ ۔ لیکن اکثر محققین کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت بمعنی رفع الحیاۃ طاری ہوئی ۔ بہرحال حقیقتِ موت جو بھی ہو، علیٰ اختلاف القولین یہ امر مسلّم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی، لیکن ساتھ ساتھ یہ امر بھی علمائے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک مسلّم اور مجمع علیہ ہے کہ بحالتِ موجودہ یعنی عالمِ برزخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی حیات سے زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ عنصری کے ساتھ ایسا قائم کر دیا گیا ہے کہ اس زیادتی جسمِ اطہر کے ساتھ (جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے) تمام افعال و حرکات مثل سمع، بصر و بطش و مشی و کلام وغیرہا پر قادر ہیں ۔ یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ساکن و صامت قبر مبارک میں صحیح و سلامت موجود ہے، اور اس سے افعال و حرکات کا صدور نہیں ہوتا، عقیدۂ فاسدہ ہے اور تمام علمائے اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے اور علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے ۔ حضرت العلامۃ العارف باللہ مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی نے یہ رسالہ لکھ کر اہلِ حق کے اقوال کو اس ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے کہ منصفین و طالبینِ حق کے لئے کافی و وافی ہے ۔ میں نے رسالے کا مطالعہ کیا ہے، مجھے اس کے مندرجات سے اتفاق ہے ۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالہ ہذا کو قبول فرما کر عامۃ المؤمنین کے لئے ذریعۂ ہدایت اور حضرت موصوف کے لئے ذریعۂ ترقی درجات کروائے ۔

احقر الفقیر

ابوالفضل محمود عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء والتدریس بقاسم العلوم ملتان

۲۱-۶-۱۳۷۷ھ

"ہمارے اکابر و اسلاف دیوبند رحمہم اللہ
تعالیٰ، ہمارے مرشدین نقشبندیہ قادریہ چشتیہ
سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد قبر مبارک
میں جسمانی روحانی حیات سے زندہ ہیں۔ جو اس
زندگی سے بھی افضل و اکمل ہے جو دنیا میں تھی۔"

شجرۂ طیبہ
یعنی
سرکارِ دوعالم ﷺ کا شجرۂ نسب
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ نَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، شَهَادَةً تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسِيْلَةً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيْلَةً، اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہیے کہ علم دو قسم پر ہے: ۱۔ علم دراست اور ۲۔ علم وراثت۔

۱۔ علم دراست: وہ ہے کہ جب تک پڑھا یا نہ جائے، اس کا علم نہ ہو سکے اور نہ اس پر عمل ہو سکے۔

۲۔ علم وراثت: وہ ہے کہ جب تک علم دراست پر عمل نہ ہو جائے، اس کا علم آ سکے اور نہ اس کو پا سکے، چنانچہ آیت پاک ذیل سے بھی معلوم ہوتا ہے:

"وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ" (آل عمران [illegible])

ترجمہ: لیکن یوں کہا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے

کہ تم سکھاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔"

تفسیر خازن میں اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے:

"والربانی العالم الذی یعمل بعلمه." (خازن)

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تدریس کا فائدہ یہ ہے کہ علم پر عامل ہو جائے، اور علم کے بعد عمل ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ .... الخ." (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: "بے شک اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی، اور سنوارتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔" (موضح القرآن)

"يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" سے علم دراست مراد ہے، جو کہ تلاوت سے حاصل ہو جاتا ہے، اور "يُزَكِّيْهِمْ" سے مراد یہ ہے کہ تزکیہ کے بعد ان کو حقائق و احکامِ قرآن کی تعلیم دیتا ہے، جو کہ علمِ وراثت ہے۔ (مصباح الہدایت)

اس سے معلوم ہو کہ علم دراست عمل کا مقدمہ ہے، اور عمل اس کا نتیجہ ہے، اور علم عمل کے سوا عقیم ہے، اور علم و عمل دونوں کا ملاپ علمِ وراثت کا ثمر لاتا ہے۔

عمل میں فتور، قصورِ ایمان سے پیدا ہوتا ہے، قوتِ عمل اور مقبولیت کا مدار ورع، تقویٰ اور اخلاص پر ہے، جیسا کہ آیت ذیل میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ" (البقرۃ:۲۸۲) چنانچہ تقویٰ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد

"یعلمکم" کو اسی پر مرتب فرمایا۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے

"ملاک الدین الورع" (کنز العمال ج۳ ص۳۳۰)

ترجمہ: "دین کا نچوڑ پرہیز گاری ہے۔"

ایسے ہی ایک دوسری آیت پاک میں ہے: "الا للہ الدین الخالص" (الزمر:۳) اسی علم سے وارث انبیاء کے درجہ پر ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"ان العلماء ورثة الأنبياء، ان الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، انما ورثوا العلم، فمن اخذ به اخذ بحظ وافر." (ترمذی ج۲ ص۹۷،۹۸)

اسی علم کا اثر خشیت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"إنما يخشى الله من عباده العلماء" (فاطر:۲۸)

اور اسی پر رضا مرتب ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذلك لمن خشي ربه." (البینة:۸)

اور ایسے ہی عالم کی موت کی مصیبت کا نقصان پورا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ "الترغیب والترہیب" میں ہے:

"موت العالم مصيبة لا تجبر وثلمة لا تسد وهو نجم طمس موت قبيلة ايسر من موت عالم."

(الترغیب والترہیب ج۱ ص۱۰۰ بحوالہ)

اور اسی الترغیب والترہیب میں یہ بھی ہے:

"ليس المراد به علم اكثر اهل الزمان المجرد عن العمل والاخلاص." (الترغیب والترہیب ج۱ ص۵۷)

سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور کے باپ دادا کی مانند ہیں۔

معنوی نسب سے وراثتِ معنوی کی تحصیل کے لئے کتب احادیث وتفسیر وغیرہ متداول ہیں جن کی تعلیم وتدریس تمام ممالک میں شبانہ روز ہوتی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، فداہ روحی وجسمی کے صوری نسب نامے اگرچہ بہت سی کتب میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض مشہور ومعروف بھی ہیں، لیکن قدرے طویل ہیں، چونکہ ہمارے ملک میں اس سلسلے کی مختصر کتب نہیں پائی جاتیں اس لئے جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب صوری کی تخریج میں احادیث نبوی، اصحاب کرام اور بعض اخلاف سلفاء کی کتب مثلاً "سیرت رحمۃ للعالمین" مصنفہ محمد سلیمان منصور پوری ج ۲ مطبوعہ پٹیالہ، "سیرت النبی" علامہ شبلی اور مواعظ محمودیہ سے نقل کرکے پیش خدمت کیا جاتا ہے، امید ہے کہ ناظرین عالمین سے ناظرین و مؤلف پر رحمت نازل ہوگی،

وما توفیقی الا باللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

الحمد للہ! کہ جب یہ رسالہ اتمام کو پہنچا تو پہلی بار مولانا محمد نواز صاحب میرے مطبع والے نے چھپوایا تھا، اب کی بار سید السادات صدر مدرس مدرسہ میراث العلوم لودہراں ضلع ملتان سید بشیر احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دوام فیض چھپوا رہے ہیں، جزاهم اللہ تعالیٰ خیراً، مؤلف الذکر ممدوح موصوف نے اس میں کچھ تلخیص فرمائی ہے، خدا وند کریم ان معاونین کے وجود پاک اور ان کے اسلاف واخلاف میں صدہا رحمت وبرکات نازل فرمائے، آمین!

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

[illegible]

[illegible]

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱	حضرت آدم علیہ السلام	۹۳۰	نوع بشر کے والد بزرگوار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر خلافت کے لئے پیدا کیا ہے۔ جب ان کے گھر میں شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)
۲	حضرت شیث علیہ السلام	۹۱۲	
۳	انوش	۹۰۵	
۴	قینان	۹۱۰	
۵	مہلائیل	۸۹۵	
۶	یارد	۹۶۲	
۷	اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۵	
۸	متوشلح	۹۶۹	
۹	لامک	۷۷۷	
۱۰	حضرت نوح علیہ السلام	۹۵۰	جب طوفان نوح آیا تو حضرت نوح کی عمر چھ سو سال تھی۔ اسی سال کے دوسرے مہینے کی ۷ تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ ۱۵۰ دن کے بعد پانی زمین سے کم ہونا شروع ہوا۔ اور ۶۰۱ سن عمر نوحی کے دوسرے مہینے کی ۲۷ تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے زمین پر قدم رکھا۔ اور بعد طوفان ۳۵۰ سال زندہ رہے۔ کشتی نوح کا طول ۳۰۰ ہاتھ، عرض ۵۰ ہاتھ اور بلندی ۳۰ ہاتھ تھی۔ اس کے تین طبقے تھے۔ اور ان کے تین فرزندوں کی نسل تمام دنیا میں ہے۔ "وجعلنا ذریتہ ہم الباقین" سام، حام، یافث اور چوتھے بیٹے یام کی نسل نہیں چلی۔ بلکہ یہ بدعملی کی وجہ سے طوفان میں غرق ہوا۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۷۵	کنیت ابو محمد اور ابو الانبیاء ہے، لقب عمود عالم اور آدم ثالث ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۷۵ سال کے تھے جب خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی جائے پیدائش اور باپ کے وطن سے نکل کر کنعان بن حام کے علاقہ میں اپنی زوجہ سرئی المعروف سارہ اور لوط علیہ السلام برادر زادہ کے ساتھ پہنچے، پھر مصر گئے، فرعون(۱) نے سیدہ سرئی کو حسین سمجھ کر اپنے لئے لے لیا، اور خدا تعالیٰ کا قہر اس پر ظاہر ہوا، چنانچہ سیدہ سرئی کو واپس کر دیا اور ان کی کرامت کو دیکھ کر سیدہ ہاجرہ کو ساتھ کر دیا، اول ان کا نام آجرہ تھا، یعنی اس مصیبت کا اجر ہے جب انہوں نے مکہ ہجرت کی کہ ان کی اولاد بیت اللہ الحرام کی آبادی کرے اور توحید کی منادی کرے تب ان کا نام ہاجرہ ہوا، یہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہ مصر کی دختر تھیں، بادشاہ نے حضرت کی عظمت دیکھ کر اپنی دختر کو بطور خدمت کے ساتھ کر دیا، اور خود سیدہ سرئی نے سیدہ ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو فرزند نرینہ یعنی اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا، جب حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں، تو حضرت سارہ کی محبت ان سے جاتی رہی، اور پھر حقیر سمجھے

(۱) مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا، جیسے شام کے بادشاہ کا لقب قیصر اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔

۳۸۳
نمبر شمار
اسم گرامی
عمر
حالات و تفصیل
۴۴ ایاس
۴۵ مدرکہ

۳۸۴
نمبر شمار
اسماء رواۃ
عمر
حالات و تفصیل
۶۱
خزیمہ
کنانہ
ہون
اسد
قارہ
عضل
دیش
کالل
عمرو
دودان
۶۲
کنانہ
کنیت ابو النضر ہے۔
کنانہ
نضر
مالک
عبد مناۃ
عمرو
عامر
خزیمہ بن مدرکہ

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات / تفصیل
۶۸	نضر		نام قیس تھا، حسن و خوبی کی وجہ سے نضر کہتے ہیں، کنیت ابو مخلد ہے۔
۶۹	مالک		کنیت ابو الحارث ہے۔ نضر مالک فہر یا قریش — حرث (اولاد خلجین عراقی)
۷۰	فہر الملقب بہ قریش		فہر غالب — محارب (اولاد: ذو محارب ظلائی)

فہر کے وقت حسان حاکم یمن نے ایک فوج سے کر مکہ معظمہ پر اس غرض سے حملہ کیا کہ وہاں کا اسباب یمن میں لے جائے، اور وہاں کعبہ تعمیر کرے۔ فہر نے مع برادران قوم کے مقابلہ کیا اور شکست دی، اور حسان کو تین سال قید رکھ کر آزاد کیا۔ یمن کو جا رہا تھا کہ راستے میں مر گیا، اس فتح سے فہر کی عظمت بڑھ گئی۔ اس فہر کا لقب قریش ہے۔ قریش لغت میں ایک مچھلی کو کہتے ہیں، جو سمندر میں بڑا جانور ہے۔ فہر اور اولاد فہر کو اسی سبب قریش کہتے ہیں کہ وہ عرب میں بہت قوی اور طاقت ور اور عظیم الشان قبیلہ تھا۔ (رحمۃ للعالمین)

بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے نضر کا تھا، حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں: "اما قریش فالاصح فہر ، جماعها والاکثرون النضر." (سیرت شبلی نعمانی)

امام سہیلی کی تحقیق ہے کہ یہ (فہر) قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے مثلاً اسد، نمر وغیرہ۔ مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جو جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے لیکن عرب کی تاریخوں میں اس کا پتا نہیں چلتا۔ (سیرت شبلی)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۷۵	کلاب (۱)		
۷۶	قصی (۲)		

(۱) نام حکیم اور کنیت ابو زہرہ تھی، شکاری کتے پالتے تھے، اسی لئے کلاب لقب ہوا۔

(۲) قصی بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا، اس زمانے میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے، قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا، شادی کی تھی، اسی تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کے سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا، قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا، جس کا نام دار الندوۃ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا کرتے۔ ....(باقی اگلے صفحے پر)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل

(بقیہ صفحہ گزشتہ)...... قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے:
سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، اسی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع
کر کے تقریر کی، اور کہا کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی مہمانی
قریش کا فرض ہے۔ چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو
کھانا تقسیم کیا جاتا۔ اس کے ساتھ چمڑے کے حوض بنوائے، جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا کہ حجاج
کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی اسی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے۔ چنانچہ عقد
الفرید میں تصریح کی گئی ہے کہ قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان
ہے کہ قریش کا لقب اول قصی کو ملا، چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے، اور یہ
بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اسی لئے ان کو
قریش کہتے ہیں، کیونکہ تقرش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ
شاعر کہتا ہے:

قصي لعمري كان يدعى مجمعا

به جمع الله القبائل من فهر

(سیرت النبی شبلی نعمانی)

(۳) عثمان بن طلحہ کا نسب اسی سے ملتا ہے، اسی خاندان میں کلید کعبہ چلی آتی ہے۔ عثمان
کے فرزند کا نام شیبہ تھا، اس لئے یہ جو شیبی کہلاتے ہیں۔

(۴) سیرت شبلی نعمانی میں ایک اور بیٹے عبد بن قصی کا بھی تذکرہ ہے۔

غیر مسلم مورخین قصی کی کامیابی کو بہت بڑھاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اسی نے حکومت کو
جمہوریت کے اصول پر قائم کیا، ان کا مطلب درپردہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو
ان کے اصول کی شرح بتائیں، لیکن یہ قصی کا دور جمہوریت اور ایثار سے بہت دور تھا، کیونکہ ایک
فرزند عبدالدار کو بڑھاتے ہوئے دوسرے فرزندوں کو اس کی غلامی کے لئے چھوڑا، اسی وجہ سے اس
کی اولاد میں وہ مشہور رقابتیں ہوئیں جو تاریخ میں مذکور ہیں۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات / تفصیل
			شوربے میں روٹیاں توڑ توڑ کر ڈال دی تھیں، "ہشم" توڑنے کو کہتے ہیں، اس لئے ہاشم نام ہوا۔ اس ہاشم نے قیصر سے یہ فرمان حاصل کیا کہ قریش جب اس کے ملک میں تجارت کا اسباب لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ آپ کو اپنے چچا سے جو اختلاف شروع میں ہو گیا تھا، وہ آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا، چنانچہ ہاشم و مطلب کی اولاد ایک طرف اور نوفل و عبدشمس کی اولاد دوسری طرف تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کی اولاد سے عداوت جاتی رہی۔ عبدشمس کا بیٹا امیہ ہے جس کی اولاد بنو امیہ کہلائی، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے ہیں، نوفل کی اولاد نوفلیان کہلائی، جبیر بن مطعم کا نسب ان سے ملتا ہے، انہوں نے بھی قیصر سے کھلی تجارت کا فرمان حاصل کر لیا تھا، ابو عمرو اور ابوعبید کے حالات سے تاریخ ساکت ہے، صرف حدیث میں پتہ چلتا ہے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

ہاشم

نام اہلیہ	پسران	دختران
سلمیٰ بنت عمرو بن زید نجاری	شیبہ یعنی عبدالمطلب	رقیہ بچپن میں فوت ہوئی
ہند بنت عمرو بن ثعلبہ الخزرجی	ابا صیفی	
قیلہ الملقب بہ جزور بنت عامر بن مالک بن جذیمہ	اسد	
اُمیمہ بنت عدی بن عبداللہ بن دینار (بنی قضاعہ)	نضلہ	شفا
واقدہ بنت ابی عدی (از بنو مازن)		ضعیفہ، خالدہ
عدی بنت حبیب (از بنو ثقیف)		حیہ

۵۷: عبدالمطلب: نام عامر، لقب اوّل شیبہ اور ثانی عبدالمطلب، اور ان کو شیبۃ الحمد، فیاض اور معظم طیر السماء بھی کہتے ہیں، نیز سید قریش اور شریف قریش سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے، عمر ۸۲ سال ہے۔

عبدالمطلب

نام اہلیہ	پسران	دختران
صفیہ بنت جندب بن حجیر بن رباب بن سواۃ (از نسل عامر)	حارث	
لبنیٰ بنت ہاجر (از بنی خزاعہ)	ابولہب (عبدالعزیٰ)	
ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ	مقوم، حجل، مغیرہ، حمزہ	صفیہ
فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ	عبداللہ، زبیر، ابوطالب، عبدالکعبہ	ام حکیم، بیضا، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ
نتیلہ بنت جناب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار)	ضرار، قثم، عباس	
ممنعہ بنت عمرو بن مالک (از بنی خزاعہ)	غیداق، مصعب	
میزان زوجات: ۶	میزان پسران ۱۵	میزان دختران ۷

بعض اور محققین نے فرمایا ہے کہ شیبانی اور بحلی ایک ہے، اور عبدالکعبہ اور مقوم ایک ہے، اور قثم تھا ہی نہیں، تو اس طرح تیرہ سے بارہ ہو گئے۔

عبدالمطلب کا نام عامر ہے۔ (اور بعض روایات میں شیبہ کو جو کہ درحقیقت لقب ہے، نام کہا گیا ہے، واللہ اعلم)۔ "شیبہ" کا ترجمہ بوڑھا ہے، نیک فال کے لئے لقب رکھا گیا، جبکہ سبب یہ ہے کہ پیدا ہوتے وقت ان کے چند بال سفید موجود تھے۔ جب ان کے والد ہاشم نے خاندان بنی نجار کی سلمیٰ سے شادی کی اور شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا، مگر چونکہ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، وہ لڑکا پیدا ہوا تقریباً آٹھ برس تک یثرب میں پرورش پائی، واسطے میں ہاشم کا بھائی جن کا نام مطلب تھا، یثرب سے جا کر انہیں لے آیا اور بیٹوں کی طرح ناز و نعم سے ان کی پرورش کی، اس احسان مندی کی قبولیت و اظہار میں یہ بھی تمام عمر "عبدالمطلب" یعنی "مطلب کے غلام" کہلاتے رہے، گو اصلی نام اور لقب پر یہی لقب غالب آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں نے تجویز کیا تھا، اور آٹھ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا۔ ان کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا۔ ان کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی کہ ظلم اور بغاوت ترک کرو، اور مکارم اخلاق حاصل کرو۔ زمزم کا کنواں جسے عمرو بن حارث نے بند کر دیا تھا، اور مدت سے کسی کو یاد بھی نہ تھا، اسی کو عبدالمطلب نے دوبارہ نکالا، تو یہ چشمہ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگار ہے ویسے ہی عبدالمطلب صاحب کی بھی یادگار ہے۔ ان کا بیٹا حارث اپنے والد کی حیات ہی میں مر گیا تھا مگر ان کے فرزند جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں، چار ہیں، اور تمام کے تمام مسلمان ہیں۔ نوفل جنگ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، ان کے تینوں فرزند عبداللہ، مغیرہ اور حارث بھی صحابی ہیں، انہوں نے ہی ابن ملجم کو گرفتار کیا تھا، اور سعید و عبد شمس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

نکاح بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے انتقال کے بعد ان ہی کے ساتھ ہوا، جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے۔

عبداللہؓ بن حارث اور ربیعہؓ بن حارث بھی مسلمان تھے، یہ ربیعہ وہی ہیں جن کے شیرخوار بچے کا خون بہ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کیا تھا۔

ابوسفیان مغیرہؓ بن الحارث، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں، انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا، یہی جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کے فرزند عبداللہؓ اور جعفرؓ دونوں صحابی تھے۔

ابوطالب کا نام عبدمناف ہے، مگر کنیت نام پر غالب آ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۰ نبوت تک ہمدردو فدائی رہے، ان کے چار فرزند تھے، طالب غیرمسلم تھے، عقیل، جعفر طیار اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اور دو دختران امّ ہانی اور جمانہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہیں۔

نام عقیل، کنیت ابویزید ہے، صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے، اور سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے، انہی کے فرزند مسلم رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہو کر کوفہ گئے تھے اور تین ذوالحجہ کو شہید ہوئے، انہی کے دو فرزند محمد، عبدالرحمٰن اور ایک پوتا عبداللہ بن مسلم کربلا میں شہید ہوئے۔

جعفر طیارؓ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے پہلے پہل حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور جملہ مہاجرین حبشہ کے سردار تھے، ان کے ہاتھ پر خوب اشاعت اسلام ہوئی، فتح خیبر ہی کے دن، خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقی ہوئے، اور جنگ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم کے اگلے حصے پر تلوار اور نیزے کے نوّے سے زیادہ زخم موجود تھے، دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے، ان کی تعریف بیان سے باہر ہے، ان کا شجرۂ اولاد یہ ہے:

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل و مناقب قلم میں نہیں آ سکتے، مختصر عرض یہ ہے کہ شجاعت اور فصلِ قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے، سیدہ فاطمہ زہرا سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار ہیں، ابوالحسن کنیت ہے، اور ابوتراب بھی کنیت ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ ہے، اس پر نہایت شاداں ہوتے تھے، جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح کے وقت اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ سے مسجد کوفہ میں زخمی ہو کر شہید ہوئے، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر ازواج سے سولہ یا سترہ فرزند اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں، جن میں سے چھ فرزند والد کے سامنے گزر گئے، اور چھ کربلا میں شہید ہوئے، دنیا میں ان پانچ بیٹوں، امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، عمر اطراف کی نسل موجود ہے، ان کے شجرہ کی تفصیل اور کچھ حالات پیش خدمت کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کا نام ہند تھا، بعض نے فاطمہ لکھا ہے، ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا، ان کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف اور جعدہ دختر ہوئی، عام الفتح کو اسلام لائیں اور ان کا شوہر نجران کی طرف بھاگ گیا، اس کے اسلام قبول کرنے کی کوئی روایت نہیں ملی۔

جمانہ کے متعلق امام اہل السیر ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر کی پیداوار سے تیس وسق کھجور جمانہ دختر ابی طالب کو دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان تھیں اور خیبر تک زندہ رہیں، باقی حالات نہیں ملے۔

ابوطالب کی سب اولاد، طالب، عقیل، جعفر، علی، اُمِّ ہانی اور جمانہ ایک ہی والدہ فاطمہ بنت اسد سے ہیں۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

۸۰۔ حضرت عبداللہ: باپ کے لاڈلے فرزند تھے جناب عبدالمطلب

صاحب نے منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ اسے دس فرزند عطا فرمائے تو ان میں سے
ایک کو تقرب الٰہی کے لئے ذبح کروں گا۔ اس قربانی کی رسم اس وقت جاری تھی، اور
موجودہ زمانے میں بھی ہند، یونان، ایران، چین، افریقہ وغیرہ میں بعض جگہ پائی جاتی
ہے۔ عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی ندرت ہے تو یہ کہ انہوں نے یہ منت خالص
خدا تعالیٰ کے لئے مانی تھی، کسی دیوی دیوتا یا بت کے لئے نہیں مانی۔ جب دس فرزند پیدا
ہو چکے تو انہوں نے فرزندوں میں قرعہ ڈالا تو عبداللہ کا نام نکلا، اس پر عبداللہ نے بھی
باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے لئے قربان ہونا منظور کیا۔

سیرت النبی شبلی نعمانی میں ہے کہ عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں، رونے
لگیں، اور کہا کہ ان کے بدلے میں دس اونٹ قربان کیجئے، اور ان کو چھوڑ دیجئے۔
عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹ میں قرعہ ڈالو...الخ

ابو طالب نے اپنے برادر شفیق کے بچاؤ کے لئے باپ سے مزاحمت کی، آخر
فیصلہ یہ ہوا کہ جو کچھ مجاور کاہن کہہ دے وہی کیا جائے، کاہن نے کہا کہ دونوں پر
قرعہ ڈالو، چنانچہ دس اونٹ کے ساتھ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام قرعہ نکلا، آخر سو
اونٹ ہو گئے، اب قرعہ سو اونٹوں کے نام نکل آیا، تو عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان
کئے۔ اس واقعے سے قبل انسانی دیت یعنی خون بہا کے لئے دس اونٹ مقرر تھے، لیکن
اس واقعے کے بعد عام طور پر سو اونٹ مقرر ہوئے، گویا کہ عبدالمطلب صاحب کے
خلوص اور عبداللہ کی اطاعت پدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و
قیمت بڑھ گئی، اور ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار بڑھنے سے قتل کی تعداد میں ضرور بہت
کمی آگئی ہوگی۔

سردار عبداللہ کا نکاح قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی سے
ہوا، جن کا نام آمنہ تھا، اور یہ قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں (سیرت ابن

جشام)، نکاح کے بعد عبداللہ صاحب ملک شام کو تجارت کے لئے گئے اور واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے سودے کے لئے ٹھہرے، وہیں بیمار ہوئے اور عالم آخرت کو سفر کر گئے، دستور تھا کہ دولہا شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا، عبداللہ صاحب تین دن سسرال میں رہے، (رحمۃ للعالمین) اس وقت ان کی عمر سترہ یا پچیس برس سے کچھ زائد تھی۔ (زرقانی ج:۱ ص ۱۶۲ سطر ۷)

سیدہ آمنہ ان ہی دنوں میں امانت دار نور محمدی (علیٰ صاحب الف الف صلوٰۃ وسلام) ہوگئی تھیں، ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکالو اور کچھ بازو میں باندھ لو۔ ایسا کیا تو پھر یہ دیکھا کہ لوہے کی چیزیں کہیں ٹوٹی تھیں، پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔ سیدہ آمنہ کو خواب میں بتلایا گیا کہ اپنے ہونے والے بچے کا نام ''احمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا، چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا، ادھر دادا صاحب نے ہونے والے پوتے کا نام ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) تجویز کیا، پس محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں۔ اس خواب سے سیدہ آمنہ کو یقین ہوگیا کہ یہ مولود نہایت سعید ہوگا، عبداللہ صاحب نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی۔ جس کا نام اُمّ ایمن تھا، یہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ میں ملیں۔ (طبقات ابن سعد) حضرت اُمّ ایمنؓ کا اصلی نام برکہ تھا۔ (سیرت رحمۃ للعالمین، سیرت النبی شبلی نعمانی)

۸۱: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

ظہور قدسی: چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں، آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف

کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، حجرہائے جنت در زمستے اسی صبح جاں نواز کے لئے کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیم، جمالِ یوسف، معجزہ طرازیِ موسیٰ، جاں نوازیِ مسیح، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاعہائے گراں بار شہنشاہِ کونین کے دربار میں کام آئیں گے، آج کی صبح وہی صبح جاں فزا، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے کہ یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم اور شہنشاہِ کونین، عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوئے۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا:

تکیہ دہ سبعہ ہفت اختران
ختمِ رسل خاتمِ پیغمبران

ترجمہ... ”آسمانوں کی خوشبو اور سات ستارے اس کی تکیہ گاہ، وہ ختمِ رسل اور آخری پیغمبر“

احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست
ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست

ترجمہ... ”احمدِ مرسل کہ عقل جس کے سامنے خاک ہے، دونوں جہان اس کے تسمہ پر بندھے ہوئے ہیں۔“

اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح
از الفِ آدم و میمِ مسیح

ترجمہ... ”اُمّی ہے اور فصیح زبان سے کہتا ہے، لفظ آدم کی الف اور مسیح کی میم ہے۔“

رسم ترنج است کہ در روزگار
پیش دہد میوہ پس آرد بہار

ترجمہ:... "ترنج کا طریقہ ہے کہ موسم میں پہلے پھل لاتا ہے، پھر بہار (برگ وبار) لاتا ہے۔"

ولادت:

تاریخ ولادت کے محقق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی، اور سیرت رحمۃ للعالمین میں ہے کہ موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل، پچپن دن بعد، ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سنہ ۶۲۸ بوقت صبح صادق قبل از طلوع آفتاب اس عالم ظلمانی میں پیدا ہو کر منور فرمایا۔

رضاعت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے اور دو، تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی)، ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو دودھ پلایا۔

فائدہ:... عرب کا دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیرخوار بچوں کو دیہات اور قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے، اور یہ کام معیوب نہ تھا، بلکہ محبوب ومطلوب تھا۔
(سیرت، شبلی نعمانی)

فائدہ:... حضرت حلیمہؓ، ان کے شوہر حارثؓ بن عبدالعزیٰ اور دو رضاعی بھائی عبداللہؓ اور حذیفہؓ، جس کا لقب شیماء ہے، کا اسلام لانا ثابت ہے۔
(زرقانی ج:۱ ص:۱۷۰، اصابہ فی احوال اصحابہ ج:۲ ص:۲۸۲ مطبوعہ مصر)

جب مدتِ رضاعت تمام ہوئی تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لے آئیں، دانش مند والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس زمانے میں مکہ میں پھیلی ہوئی وبا کے سبب واپس دے دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال، یہ بروایت ابن اسحاق چھ سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ سے واپس لے لیا، اور اپنے ساتھ یثرب لے گئیں، وہاں ایک مہینہ دار النابغہ میں رہ کر واپس ہوئیں۔

انتقال والدہ ماجدہ:

حضرت آمنہ شاید شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں یا ننھیالی رشتے کی وجہ سے، مقام ابواء میں جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے، اچانک ان کا انتقال ہوگیا، اور یہیں مدفون ہوئیں، حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ میں آگئیں۔

ام ایمن جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "امی بعد امی" کہا کرتے تھے، ان کا پہلا نکاح عبید الحبشی سے ہوا، جس سے ایمن پیدا ہوا، اور دوسرا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا، جس سے اسامہ پیدا ہوا۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

عبدالمطلب صاحب کی تربیت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پدر و مادر کے بارِ منت سے سبکدوش ہوئے، تو آپ کو حضرت عبدالمطلب نے دامنِ تربیت میں لیا، عبدالمطلب صاحب کی ۸۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور حجون میں مدفون ہوئے، دادا صاحب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ برس کے تھے، عبدالمطلب کے بعد آپ کی تربیت ابوطالب کے سپرد ہوئی، ابوطالب نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا، غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دس، بارہ برس کی ہوگی کہ آپ نے بکریاں چرائیں، اور یہ کام عرب میں

معیوب نہ تھا، خود قرآن مجید میں ہے: "وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ" آپ کا بکریاں چرانا درحقیقت عالمِ انسانیت کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔" (کذا فی البخاری فی کتاب الاجارہ) (قراریط ایک مقام کا نام ہے، (کذا قال العینی ج:۴ ص:۳۲۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حربِ فجار میں جو قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان ہوئی تھی، اس وجہ سے شرکت فرمائی تھی کہ قریش حق بجانب تھے، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا: حربِ فجار کو حربِ فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایام الحرام میں ہوئی تھی، یعنی ان مہینوں میں جن میں لڑنا حرام تھا، اس کے بعد جب بعض طبیعتوں میں اصلاح پیدا ہوئی اور حلف الفضول جو کہ اعانتِ مظلوم و دفعِ ظالم کے لئے معاہدہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی شریک تھے، اس حلف الفضول کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اس معاہدے میں یہ الفاظ تھے: "ترد الفضول علی اھلھا۔" (کذا قال السہیلی) بعدہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شغلِ تجارت میں جو خاندانی کسب تھا، مشغول ہوئے، چونکہ آپ تجارت میں معاملہ صاف رکھتے تھے اور زبانِ خلق میں آپ امین مشہور تھے، اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ان کا مالِ تجارت لے گئے، سفرِ تجارت سے واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے پیغامِ شادی بھیجا، چونکہ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں، اس لئے حضرت خدیجہؓ نے براہِ راست تمام مراتب طے کئے، آخر نکاح ہوگیا۔ ابوطالب صاحب نے خطبۂ نکاح پڑھا، اور پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا، حضرت خدیجہؓ کے والد صاحب جنگِ فجار سے پہلے ہی انتقال کرچکے تھے۔

(کذا فی زرقانی ج:۱ ص:۲۲۲ تا ۲۲۹، سیرت شبلی نعمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند نرینہ تین ہوئے اور دختران طاہرات چار ہیں۔

قاسم رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور پاؤں پر چلنے لگے تھے کہ راہ گزین عالم جاودانی ہوئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان کا لقب طیب و طاہر بھی ہے، مکہ معظمہ میں بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے، اور صغر سنی ہی میں فوت ہوئے، جس پر کفار نے کہا تھا کہ حضور ابتر ہیں، اور سورۂ کوثر نازل ہوئی کہ ان کا ذکر خیر قیامت تک جاری رہے گا۔

ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ قبطیہ جن کو شاہ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، کے بطن سے پیدا ہوئے، براء بن اوس انصاری کی زوجہ ام بردہ نے دودھ پلایا اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا۔ یہ بھی ایام رضاعت ہی میں فوت ہو گئے ۱۰ھ تھا، اسی روز سورج گرہن بھی ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیاں بطن سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہیں، اور سب کی ولادت مکہ معظمہ میں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب (گود میں پلنے والے) دو ہیں: زینب و ام کلثوم، جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں اور ان کا نکاح ۴ھ میں ہوا، اور حبیبہ جو ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دختر ہیں، اور بھی دختران طاہرات ہیں، کیونکہ ۴ھ سے پہلے ربائب نہیں تھیں اور صاحبزادیاں ۴ھ سے پہلے موجود تھیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں اپنی والدہ خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لئے بھیجا تھا، اور رقیہ اور اُم کلثوم بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واقعات قبل از ہجرت میں ابولہب کے خاندانی افعال میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر سہ بنات نبوی کا انتقال بحیاتِ نبوی ہوا، مگر مذکورہ ربائب ارتحالِ نبوی کے بعد دیر تک اپنے گھروں میں آباد تھیں، جن کی تفصیل ان کے حالات سے ملتی ہے۔

سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا، قاسمؓ سے چھوٹی اور باقی اولاد سے بڑی تھیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ زینبؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیدہ اُم کلثوم، سیدہ رقیہؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ اُم کلثومؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی، جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں پیدا ہوئیں، ان کا نکاح ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا تھا، ابو العاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ کے ساتھ مسلمان ہوئیں، مگر ابو العاص کا اسلام بہت تاخیر میں رہا، بدر میں ابو العاص جب اسیر ہو کر آیا اور رہائی کے بعد مکہ پہنچا، تو حسب وعدہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کی اجازت دے دی، سفرِ ہجرت میں ہبار بن الاسود نے مزاحمت کی، تو اس سے آپؓ کا حمل ساقط ہو گیا، ابو العاص جب تجارتِ شام سے واپس ہوا تو ابوبصیر اور ابو جندل نے قافلے کا سارا سامان لے لیا، مگر ابو العاص کو گرفتار نہ کیا، وہ مدینہ طیبہ پہنچا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نے ان کو امان دی، اور مال کی واپسی کا عرض کیا، چنانچہ مال واپس دے دیا گیا تو ابوالعاص نے مکہ مکرمہ والوں کو تمام مال دے کر مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف پھیر دی، ابوالعاص سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک دختر پیدا ہوئی، جس کا نام امامہ تھا، اور ایک علی نام کا فرزند پیدا ہوا، یہ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما فتح مکہ میں ناقہ پر ردیف تھے، عنفوان شباب میں جنت میں پہنچے، حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا، اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ہوا، جس سے یحییٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے مگر اب ان کی نسل ناپید ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا، صحابیہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا، جبکہ ابوالعاصؓ کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، مکہ ہی میں حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے نکاح ہوا، سیدہ رقیہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سعادت اپنے شوہر کا ساتھ دے کر حاصل کی۔ (رواہ الحاکم) سیدہ رقیہ کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، جو ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری، زخم ہو گیا، اور اسی سبب سے رحلت کر کے عالم بقا ہوئے، اس سے پہلے ہی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں جنگ بدر کے موقع پر چیچک کی بیماری سے اکیس سال کی عمر میں رحلت فرما جنت نشین ہوئیں، ان کی تیمارداری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر بدر میں تشریف لے

گئے، بشارت فتح کے دن ان کی تدفین ہوئی۔

سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا:

سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ۳ھ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا، اسی لئے ان کو "ذوالنورین" کہتے ہیں۔ نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ خدائے بزرگ کا حکم ہے کہ اپنی دوسری بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دوں۔" (اخرجہ الحاکم، از اسد الغابہ ص ۲۲۳)

اس سیدہ سے اولاد نہیں ہوئی، ۹ھ میں انتقال ہوا، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے مراسم تدفین پورے کئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: جب اُمِ کلثوم کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دو نورانی چشم میں پانی تھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت عالیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی تھی، واقعہ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے سیدہ فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس سیدہ عالیہ کی مدح و ثنا کرنے کی کسی میں طاقت نہیں، عقل بشری کی رسائی نہیں، مختصراً یہ کہ "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" ہیں، اور "سیدۃ نساء العالمین" ہیں، حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی، ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ ابوبکرؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھی اور اہل بیت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملیں، ان کی عمر ۲۲ یا ۲۳ سال

تحفتاً ہے، سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے امام حسن، امام حسین اور سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

سیدہ امِ کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چالیس ہزار درہم مہر پر ہوا، ان سے زید اور رقیہ رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نکاح ثانی عون بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ہوا، جس دن زید بن عمرؓ کا، جو بطن طاہرہ امِ کلثوم سے ہیں، انتقال ہوا، اسی دن ان کی والدہ امِ کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوا۔

سیدہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ہوا، میدان کربلا میں اپنے برادر کریم، مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، نہایت صبر سے بڑے مصائب کو برداشت کیا، اور اعداء و اشقیاء کو خوب خوب جواب دیئے۔ ان کے فرزند عون بن جعفر رضی اللہ عنہما بھی میدان کربلا میں شہید ہوئے، بعض نے سیدہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں محسن اور رقیہ بھی ادا کئے ہیں، اور کہا کہ صغرسنی میں فوت ہوئے ہیں، سیدہ فاطمہؓ کی قبر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ بقیع غرقد میں، حضرت امام حسن، زین العابدین اور عباس رضی اللہ عنہم کے پہلو بہ پہلو ہیں، مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ ۳۳۲ھ میں بقیع غرقد میں ایک پتھر ملا جس پر تحریر تھا "ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا نصف بدن بالائی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا نصف

جبکہ زیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے اثنا عشرین و محافظین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، حضرت علیؓ کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ بہادروں نے امام حسنؓ سے موت پر بیعت کی، چار ماہ تک بامر تمام نے عراق و عرب، ماوراء و خراسان کی خلافت کی، آخر کوفہ کی جامع مسجد میں بماہ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بسبب رحم دلی و دفع خونریزی، خلافت سپرد کی، ۵۶ سال کی عمر میں بماہ ربیع الاول ۴۹ھ وفات پائی، ھُوَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خضرہ میں دفن ہونے کی اجازت دی، مگر مروان حاکم مدینہ نے دفن نہ ہونے دیا، آخر بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بارہ فرزند تھے حسن مثنیٰ، زید، طلحہ، حسین، اسماعیل، عبداللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمن، ابوبکر، قاسم اور عمر رحمۃ اللہ علیہم، اور پانچ دختران تھیں۔ فاطمہ، امّ سلمہ، امّ عبداللہ، امّ الحسین رملہ اور امّ الحسن، رضی اللہ عنہن، اب دنیا میں زید اور حسن المثنیٰ کی اولاد باقی ہے، اولاد حسنؓ میں سے عمرو، قاسم اور عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے، حسین الاثرم اور عمر سے اولاد ہوئی، مگر نسل باقی نہیں رہی، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

زید بن الحسن رضی اللہ عنہما کے فرزند ابو محمد حسن، سلطنت منصور میں امیر مدینہ ہوگئے تھے، حضرت سید محمد گیسو دراز صاحب خلیفہ حضرت نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہما ان کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صدقات کا اہتمام حسن مثنیٰ بن حسن رضی اللہ عنہما کے سپرد تھا، یہ میدان کربلا میں شریک ہوئے اور سخت زخمی ہوگئے تھے، اسماء بنت خارجہ فزاری رضی اللہ عنہا نے ابن اسعد سے علاج کرانے کی اجازت حاصل کی، اور یہ اچھے ہوگئے۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ سے نکاح کیا، جس سے ابراہیم الغمر،

حسن مثلث اور عبداللہ محض پیدا ہوئے، یہ تینوں اشخاص طرفین سے فاطمی ہیں، اور ایک زوجہ عورت سے داؤد اور جعفر ثانی دو اور فرزند بھی تھے۔

عبداللہ محض جو ہاشم کے لقب سے ملقب تھے، ان کے چھ فرزند تھے: محمد ذی النفس الزکیہ، ابراہیم، موسیٰ الجون، یحییٰ، علیمان، اور لیس۔

محمد ذی النفس الزکیہ نے خلافت کا دعویٰ کیا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو چار ہزار درہم بطور امداد بھیجے۔ موسیٰ الجون بن سید عبداللہ محض کی نسل سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب غمر کثرت جود کی وجہ سے ہے، ابواسماعیل کنیت ہے، ۱۴۵ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ان کی نسل اسماعیل دیباج، جس کی کنیت ابوابراہیم اور لقب شریف الخلاص تھا، سے جاری ہے، اسی طرح ان کی نسل فرزند حسن التج اور ابراہیم طباطبا سے بھی جاری ہے۔ جو سید، جس سے سید علاء الدین محمد بن محمد بن حسین دہلی والے ہیں، انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

حسن المثلث بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوعلی ہے۔ ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی نسل موجود ہے۔

داؤد بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہما کی والدہ زوجہ ہیں، حضرت امام جعفرؓ کے باہم رضیع تھے، اور یہی صدقات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متولی تھے، ان کی نسل سلیمان بن داؤد سے جاری ہے۔

سلیمان بن داؤد رحمہ اللہ کے چار فرزند تھے: موسیٰ، داؤد، اسحاق اور حسن رحمہم اللہ۔ ان سب کی نسل موجود ہے۔

جعفر بن حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کی کنیت ابوالحسن ہے، ۱۴۰ھ میں وفات پائی، ان کے بیٹے حسن سے عبداللہ، جعفر ملقب بہ غدر اور محمد السلیق سے نسل جاری ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ:

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما، امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے برادر خورد ہیں، ۵ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے، امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت سے پچاس یوم بعد امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بطن مادر اطہر میں استقرار پایا تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیادہ پا کئے تھے، امام حسن رضی اللہ عنہ نے بیس حج پیدل پا کئے ہیں، ان دونوں کی تعریف میں کتب بھری ہیں، بروز جمعہ عشرہ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں شہادت پائی ہے، ان کی نسل امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے جاری ہے۔

زین العابدینؓ کا اسم مبارک علی ہے، کثرت عبادت کی وجہ سے زین العابدین سجاد ذوالثفنات لقب پڑ گیا، واقعہ کربلا میں ۲۳ سال کے تھے، ۳۸ھ میں پیدا ہوئے، ۹۵ھ میں وفات پائی، ان کی والدہ بنت یزدجرد ہیں جو عہد فاروقی میں اسیر ہو کر آئیں، ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر اور علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہم، اور دو بیٹیاں ہیں: اُمِ کلثومؒ اور خدیجہؒ۔ اُمِ کلثومؒ کا نکاح داؤد بن حسن مثنیٰ سے ہوا تھا، ان کے بطن سے سلیمان پیدا ہوئے، سلیمان کی نسل داؤد، اسحاق اور حسن سے جاری ہے۔ خدیجہؒ کا نکاح محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم سے ہوا، ان کے بطن سے عبداللہ، عبیداللہ اور عمر رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئے نسل باقی ہے۔ عبداللہ الباہر کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے، اس کا ایک بیٹا اسماعیل تھا، جس سے حسین اور محمد پیدا ہوئے اور قم جرجان میں نسل پائی جاتی ہے۔

زید الشہید بن امام زین العابدین کی والدہ اُمِ ولد تھیں، آپ نے سلطنت ہشام میں دعویٰ خلافت کیا تھا، مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے، جرجان کے

علاوہ صرف کوفے کے پندرہ ہزار اشخاص تھے، جو سب لوگ یوسف ثقفی کے مقابلے میں امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ امام زید شہید نے اسی موقع پر فرمایا: "رَفَضُونَا الْيَوْمَ" اسی دن سے "رافضی" کا لفظ نکلا۔ ۱۵ صفر ۱۲۱ھ میں زخم تیر سے شہید ہوئے۔ ان کے چار فرزند تھے:

یحییٰ جو اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہوئے، ایک دختر، ان کی یادگار تھیں۔

حسین ذی الدمعہ نے ۱۳۵ھ میں وفات پائی، نسل کثیر باقی ہے۔

عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل ان کے چار فرزندان: احمد، زید، محمد اور حسین مصارہ سے جاری ہے، سادات بارہ و بلگرام کا نسب اسی نژاد عالی سے ہے، رحمۃ اللہ علیہم۔

محمد سے نسل جاری ہے۔

عمر الاشرف بن امام زین العابدینؑ کی نسل علی الاصغر سے جاری ہے، ان کے تین فرزند: قاسم، عمر الجری، ابو محمد الحسن سے نسل کثیر جاری ہے۔

حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ کی والدہ ساعدہ امّ ولد تھیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائی، بقیع میں دفن ہیں۔ عبداللہ، عبیداللہ الاعرج، علی، ابو محمد الحسن اور سلیمان سے نسل کثیر باقی ہے۔

علی الاصغر بن زین العابدینؑ کی نسل حسین افطس سے جاری ہے، افطس کی نسل علی الحوری، عمر، حسین، حسن مکفوف اور عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہم سے جاری ہے۔

امام محمد باقر بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہما کا نام نامی محمد، باقر لقب، اور ابو جعفر کنیت ہے، عبداللہ الباہرؓ کے برادر حقیقی ہیں، باقر العلوم، واقر الحکم اور جلیل القدر تھے، ان کی مرویات صحاح و سنن میں ملتی ہیں، واقعہ کربلا کے وقت تین سال کے تھے، ان کی نسل صرف امام جعفر صادق سے جاری ہے، ان کی والدہ امّ عبداللہ بنت امام حسنؓ ہیں۔

امام جعفر صادق بن امام باقر رحمۃ اللہ علیہما، جعفر نام، صادق لقب اور ابوعبداللہ کنیت ہے، ان کی والدہ ماجدہ ام فروہ ہیں جو کہ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم الفقیہ کی بیٹی ہیں، ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم ہیں، اسی لئے امام جعفر فخر کیا کرتے تھے: "وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ" یعنی مجھے ولادت میں ابوبکر سے دہرے رشتے ہیں۔ وافر العلوم اور کثیر الفتوح تھے، صحاح وسنن میں ان کی مرویات اور فتاویٰ موجود ہیں، ولادت ۸۳ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، بقیع میں مدفون ہوئے، ان کے پانچ فرزند ہیں: موسیٰ کاظم، اسمٰعیل، علی العریضی، محمد المامون اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم، سب سے نسل جاری ہے۔

اسمٰعیل کے دو فرزند ہیں، ان کی نسل محمدؒ اور علیؒ سے جاری ہے، علی ملقب بضیاء الدین کے سلسلۂ نسب میں مخدوم سید علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

علی العریضی بن امام جعفر صادقؒ کی نسل چار فرزندان: محمد، احمد الشعرانی، حسن اور جعفر الاصغر رحمۃ اللہ علیہم سے جاری ہے، اور خلق کثیر موجود ہے۔

محمد المامون یا محمد دیباج نے خلافت کا دعویٰ کیا، مامون الرشید نے ان کو گرفتاری کے بعد معاف کر دیا تھا، ان کی نسل علی التجارتی، قاسم اور حسین سے جاری ہے، اور بکثرت مصر میں پائے جاتے ہیں۔

اسحٰق بن جعفر صادقؒ کا لقب مؤتمن اور ابو محمد کنیت ہے، امام موسیٰ کاظمؒ کے برادر شقیق ہیں، شیعہ کا ایک فرقہ ان کو امام مانتا ہے، ان کی نسل محمد، حسن اور حسین تین فرزندان سے جاری ہے۔

امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق، موسیٰ نام، کاظم لقب اور ابوالحسن اور ابو ابراہیم کنیت تھی، ان کی والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ ہے، جو ام ولد تھیں، ولادت ۱۲۸ھ

مقام ابواء میں، اور وفات ۶ رجب ۱۸۳ھ بمقام بغداد ہوئی، یہ ۲۳ پسران اور ۲۷ دختران کے والد ہیں، فرزندان نرینہ میں سے: عبدالرحمن، عقیل، قاسم، یحییٰ اور داؤد لاولد تھے، اور سلیمان، فضل اور احمد کی اولاد صرف دختری تھی، اور حسین، ابراہیم الاکبر، ہارون، زید اور حسن رحمۃ اللہ علیہم کی اولاد کے متعلق علمائے نسب کو اختلاف ہے، اور علی، ابراہیم الاصغر، عباس، اسماعیل، محمد، اسحاق، حمزہ، عبداللہ، عبیداللہ اور جعفر کی نسل جاری ہے، اختصاراً تفصیل چھوڑ دی گئی ہے، خواجہ بزرگ سلطان الہند سید معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اجمیری المتوفی ۶ رجب ۶۳۳ھ حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے ہیں۔

امام علی الرضا بن امام موسیٰ کاظم کا علی نام، رضا لقب اور ابوالحسن کنیت ہے، ولادت ۱۴۸ھ میں، اور وفات ماہ صفر ۲۰۳ھ میں بہ عمر ۵۵ سال ہوئی، مزار مشہد مقدس میں ہے، ان کی نسل صرف محمد الجواد سے جاری ہے۔

امام محمد الجواد ہو تقی رحمہ اللہ بن امام علی الرضا کا نام محمد، لقب تقی اور کنیت ابوجعفر ہے، ولادت رمضان ۱۹۵ھ میں ہوئی اور آخر ذوالقعدہ ۲۲۰ھ بہ عمر پچیس سال انتقال فرمایا، علی الہادی اور موسیٰ مبرقع سے نسل جاری ہے، موسیٰ المبرقع کی نسل ان کے فرزند احمد سے جاری ہے، مضافات لکھنؤ و فتح آباد میں نسل پائی جاتی ہے۔

امام علی النقی بن محمد الجواد کا نام علی، عسکری لقب، ہادی، نقی، عالم اور ابوالحسن کنیت ہے، بہ عمر اکتالیس سال چھ ماہ وفات پائی، ولادت نصف ذوالحجہ ۲۱۲ھ میں اور وفات ۳ رجمادی الاولیٰ ۲۵۴ھ میں ہوئی، ان کی نسل ابوعبداللہ جعفر کذاب اور حسن عسکری سے جاری ہے، کذاب کا لقب اس لئے ہوا کہ امام حسن عسکری کے بعد خود امام ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ان کی اولاد ان کو "جعفر تواب" کہتی ہے، اور اپنے آپ کو رضوی کہلاتے ہیں، ابوعبداللہ کی کنیت ابوکریم بھی ہے، ان کی وفات ۲۷۱ھ

میں ہوئی، اور ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: اسماعیل حریف، یحییٰ الصوفی، ہارون، علی المختار، ادریس اور طاہر۔ اسماعیل اور یحییٰ کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے، ہارون کی اولاد میں سے سادات امروہہ ہیں، علی المختار کی اولاد سے سادات بھکر ہیں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ اسی شاخ سے ہیں، محمد نازک اور سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہما نزیل ہند، ان ہی علی المختار کی اولاد میں سے ہیں، ادریس کی نسل قاسم سے جاری ہے، اولاد قواسم کہلاتے ہیں۔

امام حسن عسکری بن علی النقی رحمۃ اللہ علیہ کا نام حسن، عسکری لقب اور ابو محمد کنیت ہے، رمضان ۲۳۲ھ میں ولادت ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں وفات پائی، والدہ ماجدہ کا نام حدیث ہے، جو ام ولد ہیں، ایک فرزند محمد المہدی نصف شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے، بعمر چار سال غائب ہوگئے تھے، فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک یہی مولود سعید امام منتظر و امام زمان مہدیٔ دوراں کے لقب سے ملقب ہیں۔

اللّٰھم صلِّ وسلّم وبارک افضل صلوٰتک وسلامک
وبرکاتک عدد معلوماتک ورضی نفسک علیٰ
سیدنا محمد وآلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وصحابیاتہٖ
واخوانہٖ ورفقائہٖ واتباعہٖ وسلّم دائمًا ابدًا من الصلوٰۃ
والسلام والبرکۃ افضلھا واکملھا وادومھا آمین!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کی تفصیل:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کرام کا ذکر اہل بیت نبوی علیہ وعلیٰ آلہ

الصلوٰۃ والسلام میں گزر چکا ہے، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کا ذکر کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں اب فقط پانچ فرزندان سے نسل جاری ہے: امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر اطراف اور عباس بن علی رضی اللہ عنہم۔

عباس بن علی رضی اللہ عنہما میدانِ کربلا میں علم بردار امام ہمام تھے، ان کا خطاب سقائے اہلِ بیت بھی ہے، چونتیس سال کی عمر میں شہید ہوئے، ان کا بیٹا عبداللہ اور عبداللہ کا بیٹا حسن، اور حسن کے پانچ بیٹے ہیں: عبیداللہ، عباس الفصیح، حمزۃ الاکبر، ابراہیم جرودقہ اور فضل۔

عبیداللہ، قاضی الحرمین، کا بیٹا عبداللہ اور عبداللہ کے دو بیٹوں میں سے ہارون کی اولاد بنو ہارون کہلاتے ہیں، اور دُوسرے بیٹے داؤد الاکبر کی اولاد بنو جدیہ کے نام سے مشہور ہیں اور یمن میں موجود ہیں۔

عباس الفصیح شاعر اور ہارون الرشید کا مقرب تھا، بعض نساب (نسب بیان کرنے والے) کہتے ہیں کہ صرف عبداللہ بن عباس الفصیح کی نسل سمرقند میں رہ گئی۔

حمزۃ الاکبر کی کنیت ابوالقاسم تھی، ان کا چہرہ مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک کے مشابہ تھا، مامون نے اسے لاکھ روپیہ دیا تھا، ان کے فرزند علی اور علی کے فرزند محمد سے نسل جاری ہے۔

ابراہیم جرودقہ ادیب، فقیہ اور امام تھے، ان کے تین فرزند ہیں: حسن، محمد اور علی، ہر ایک سے نسل جاری ہے۔

فضل کے تین بیٹے ہیں: جعفر، عباس الاکبر اور محمد۔ جعفر کا فضل سے نسب جاری ہے۔

عباس الاکبر کے چار فرزندوں سے نسل جاری ہے، اور محمد کے بیٹے ابوالفضل الشاعر سے نسل جاری ہے۔

عمر اطراف بن علی رضی اللہ عنہما حسین کے بعد زندہ رہے تھے، پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی، بعض نے کہا کہ مصعب بن زبیر کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے فرزند محمد ہیں: اور محمد کے بیٹے محمد کے چار فرزند ہیں: عبداللہ، عبیداللہ، عمر اور جعفر۔ یہ تینوں فرزند یعنی عبداللہ، عبیداللہ اور عمر از بطن خدیجہ بنت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم ہیں، جعفر از بطن ام ولد ہیں۔

عبداللہ کے چار فرزند ہیں: محمد، محمد، یحییٰ المبارک اور یحییٰ الصالح۔ ان میں محمد کے بیٹے قاسم ملقب ملک ملتان کی نسل ملتان میں پائی جاتی ہے، اور باقی سب کی نسل بھی جاری ہے۔

عبیداللہ کا بیٹا طیب اور طیب کے بیٹے علی سے بغداد اور اس کے نواح میں نسل جاری ہے۔

عمر کے بیٹے ابو اسمٰعیل کی نسل بلخ و خراسان میں ہے، اور دوسرا بیٹا ابراہیم ابوالحسن ہے۔

ابوالقاسم محمد بن حنفیہ بن علی رضی اللہ عنہما کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں، اس قبیلے نے عہد صدیقی میں ارتداد کیا تھا۔ یہ جنگ میں اسیر ہو کر آئیں اور حضرت علی مرتضیٰ کو ملیں۔ ان کے بیٹے محمد بن علی ۲۱ھ خلافت فاروقی کے آٹھویں سال میں پیدا ہوئے، اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا، ان کے زہد و ریاضت اور زور و قوت کی حکایات مشہور ہیں، لشکر مرتضیٰ کے علم بردار بھی ہو کرتے تھے، شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد امامت ان کو ملی، اور ایک فرقہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امامت ان کو ملی ہے، اور پھر دو فرقوں کا اعتقاد ہے کہ آئندہ امامت ان کی نسل میں چلے گی۔ مختار ثقفی جس نے قاتلان حسینؓ سے خوب انتقام لئے۔ خود کو نبی کا مختار بتلایا کرتا تھا، ان

الحنفیہ کا خادم کیسان ہے، وہ بھی ایک فرقہ کا امام ہے، کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی المرتضیٰ کوہ رضوی میں رہتے ہیں، شیر اور چیتا (چیتے) ان کے پہرہ دار ہیں، قرب قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے، محمد بن حنفیہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی اولاد کی تعداد چوبیس ہے، جن میں چودہ نرینہ فرزند ہیں، جن میں سے تین سے نسل جاری ہے، ابوہاشم کے بیٹے عبداللہ بزرگ تابعین میں سے تھے، اور جعفر بن محمد بن علی رحمہ اللہ یوم الحرہ کو شہید ہوئے، ان کی کثیر اولاد موجود ہے، اور تیسرے علی بن محمد بن علی رحمہ اللہ کا بیٹا ابو محمد، جن کے بیٹے علی کی کثیر اولاد موجود ہے، ابو محمد اور علی یہ دو کیسانیہ امام مانتے ہیں، باقی فرزندان حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ: عبداللہ، عون، یحییٰ اور عمر فرزند حبیب وغیرہ کے حالات نہیں ملے، ان کی اولاد کو سوئی بھی کہتے ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وازواجہ

وذریاتہ اجمعین

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: ان چار عورتوں میں شمار ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ وسلم نے تمام دُنیا و آخرت کی عورتوں سے برگزیدہ فرمایا ہے، جاہلیت میں ان کا لقب "طاہرہ" تھا، مرد و عورت سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات نبوت پر غور کرتے، تو یہ فرمایا کرتے: "لقد خشیت علی نفسی" یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، تو حضرت خدیجہؓ ہی نے تسلی دی اور مزید اطمینان کے لئے چچیرے بھائی نوفل کے پاس لے گئیں، اور نوفل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ وہی ناموس اکبر ہے، یعنی جبریل علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آیا تھا، (کذا فی البخاری) ان کا نکاح اوّل عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا، اس سے چار اولاد ہوئیں۔

دوسرا نکاح ابوہالہ ہند بن نباش سے ہوا، جس سے ہالہ، طاہر اور ہند پیدا ہوئے، یہ تینوں صحابہؓ ہیں، ہالہ کے فرزند کا نام ہند تھا، وہ اپنے باپ سے روایت بھی رکھتے ہیں، اور طاہر بن خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ربع یمن کا حاکم مقرر فرمایا تھا، وفات نبوی کے بعد یمنی قبائل سب سے پہلے مرتد ہوئے تھے، طاہر نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے مسروق بن الاجدعؓ کی معیت میں لشکر کشی کی اور فتح عظیم حاصل ہوئی، اور ہند بن خدیجہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (پروردہ) ہیں، جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھے اور وہیں شہید ہوئے، اور بھی وصاف النبی مشہور تھے۔

پھر تیسرا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی درخواست پر ہوا، بعدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فکر معیشت سے فارغ ہو کر ذکر و فکر ربانی میں ہمہ تن مصروف ہوئے، اولاد پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گزر چکا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس ہے اور قیس برادر زنی
زوجہ ہاشم جد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ گویا حضرت سودہ ان ننھیال نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال کی تھی۔ یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبد ود کے نکاح میں
تھیں، یہ پہلے ایمان لائیں، بعدہٗ ان کی ترغیب سے سکران بھی مشرف با سلام ہوئے۔
پھر اپنے خاوند کے ساتھ اپنی والدہ سمیت حبشہ کی ہجرت کی، حبشہ میں دوسری ہجرت میں
سکران کا انتقال ہوا، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان
کا نکاح ہوا۔ انہوں نے چند سال بعد اپنا وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محاسن اخلاق و مکارم افعال میں ابتدا ہی سے معروف تھیں۔
ان سے پانچ احادیث مروی ہیں، ایک بخاری میں اور چار سنن میں، حضرت عمرؓ کے
دورِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ بنت صدیق، طیبہ زوج طیب، حبیبہ
حبیب اللہ الرحمٰن والرحیم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، ان کی
ماں کا نام ام رومان زینب ہے، جن کا سلسلہ نسب، نسب نبوی سے کنانہ پر جا ملتا ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان بیان سے باہر ہے، ان ہی کی پاکیزگی میں سورۂ
نور کی بہت سی آیتیں اتریں۔ وہ الٰہی وحی ٹھہرا، اور انہی کے لحاف میں وحی اترتی
تھی، انہی کی محبت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی
اللہ عنہا کو حکم فرمایا تھا (رواہ مسلم)، اور آیت تیمم ان کے باعث نازل ہوئی (بخاری)،
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تخییر پہلے انہی کو سنائی تھی اور انہوں نے سب
سے پہلے اللہ و رسول اور آخرت کو اختیار کیا (رواہ بخاری)، معانی قرآن شریف، احکام
حلال و حرام، اشعار عرب اور علم الانساب میں فائق تھیں (اصابہ)، ختم نبوت کی

اشاعت زیادہ تر انہی سے ہوئی، دو ہزار دو سو دس حدیثیں ان سے مروی ہیں، فقہائی
شرعیہ، حل مشکلات علمیہ، بیان روایات، اور واقعات تاریخ ان کے علاوہ ہیں۔
جنگ جمل میں ان سے شریک ہونے کی غلطی ہوئی، جنگ کے خاتمے کے بعد فرماتیں
کہ میری اور علیؓ کی شکر رنجی ایسی ہے جیسے عموماً بھاوج اور دیور میں ہو جایا کرتی ہے۔
حضرت علیؓ نے فرمایا: بخدا! سچی بات یہی ہے۔ اور یہ واقعہ جنگ حادثہ اتفاقیہ تھا، ہر
ایک فریق یوں ہی سمجھتا تھا کہ ابتدا دوسری جانب سے ہوئی ہے، اور مدافعت کا حملہ
ہوا۔ (کتاب الفصل فی الملل ج ۴ ص ۱۵۸، طبع مصر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی
ماں ام رومان کا انتقال رمضان ۶ھ میں ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود
اترے تھے، حضرت عائشہؓ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۸ھ کو مدینہ منورہ
میں وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ پہلے
خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی السہمی کی منکوحہ تھیں، خنیسؓ بھی قدیم مہاجرین میں
سے ہیں، اول ہجرت حبش، بعدہٗ ہجرت مدینہ طیبہ کی، بدر و احد میں حاضر ہوئے، اور
جنگ احد میں زخمی ہو کر مدینہ طیبہ میں وفات پائی، بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا، حضرت حفصہؓ کی ولادت پانچ سال قبل از بعثت ہے۔
حضرت حفصہؓ کی مرویات کل ساٹھ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ان کے برادر حقیقی ہیں، حضرت
عمرؓ کی نسل سے خواجہ فریدالدین گنج شکر، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ ابراہیم اور
ضیاء معصوم ونیز چار یار کابلی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ بالاتفاق ہیں۔

ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ: جاہلیت میں ان کا لقب ام
المساکین تھا، ان کا نکاح اول طفیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا، یہ دونوں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد بھائی ہیں، ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا جو کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ہیں، جنگ اُحد میں شہید ہوئے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح ہوا، دو یا تین ماہ زندہ رہیں، ماں کی جانب سے یہ اُم المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا: نہایت قدیم الاسلام ہیں، ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی منکوحہ تھیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں، اور ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر بعد شوہر مکہ شریف واپس ہوئیں، پھر کر ہجرت پر ابو سلمہؓ کے گھر والوں نے ان کے بیٹے سلمہ کو روک لیا اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہ جانے دیا، ایک سال تک روتی رہیں، عثمان بن طلحہ کلید بردار حرم کو ان کی بے کسی پر رحم آیا، مدینہ منورہ کے قریب پہنچا کر واپس چلا گیا، ابو سلمہؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے، اور جنگ اُحد میں زخمی ہو کر جمادی الاخریٰ ۴ھ میں وفات پائی، بعدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، اور ان کے بیٹے عمر اور سلمہ اور لڑکیاں زینب اور درہ زیر تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے، عمر بن ابو سلمہ ۲ ہجری میں پیدا ہوئے، حضرت علیؓ کی جانب سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے، ۸۳ھ میں وفات پائی، سلمہ بن ابی سلمہ کے ساتھ امامہ بنت امیر حمزہؓ کا نکاح ہوا، عبدالملک کے عہد میں وفات پائی، زینب بنت ابی سلمہ کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی سے ہوا، بہت فقیہ تھیں، یوم الحرہ میں ان کے دونوں بیٹے مارے گئے۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا: کا نام رملہ بنت ابی سفیان بن

اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے۔ ان کی ماں صفیہ بنت ابی العاص بن اُمیہ ہے، ان کا پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش تھا، جو عیسائی بن گیا تھا اور اسی حالت میں مر گیا، پھر شاہ حبشہ نجاشی نے چار سو دینار مہر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھا اور آپ کو مدینہ شریف بھیج دیا۔ ۴۴ھ میں وفات پائی، مرویات کتب میں کل ۶۵ احادیث ہیں، ان کے سگے بھائی یزید الخیر ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے علاتی بھائی تھے۔

اُمّ المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا: آپ کی والدہ اُمیمہ بنت عبد المطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں، یہ پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، زیدؓ نے طلاق دے دی، جس کا قصہ قرآن شریف میں ہے، پھر رسم ضالہ کے دفع کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

اُمّ المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا: غزوۂ مریسیع میں اسیر ہو کر آئیں، ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوئی، یہ حارث بن ابی ضرار سید قوم کی بیٹی تھیں، ان کی مرویات احادیث ۷ ہیں۔

اُمّ المؤمنین صفیہ بنت حیی بن اخطب بن شعبہ: سبط ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں، رضی اللہ عنہا، ان کا پہلا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا تھا، وہ جنگ خیبر میں مارا گیا، یہ اسیر ہو کر آئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، کل مرویات ۹ ہیں۔

حضرت اُمّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا: یہ پہلے ابی رہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں، اس سے پیشتر حویطب بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں، ۷ھ میں بیوہ ہو گئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وعلی ازواجہ واولادہ واتباعہ وسلم سے نکاح ہوا، ان کی

کل مرویات ۶۷ ہیں۔

تمت الحمد للہ رب العالمین حمداً کثیراً طیباً

فاصلی علیک بالتسلیم

متحفا عند حضرت الصمد

بعدد الرمال والأنفاس

والنبات الکثیر متعدد

وعلی الآل کلهم ابدًا

بالفا عند منتهی الامد

محمد عبداللہ غفرلہ

وسیلۂ رفیعہ

یعنی

وسیلہ کی اقسام و احکام

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبید اللہ بلیاوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اِتِّبَاعَ الْاَنْبِیَاءِ وَسِیْلَةً
لِقُرْبِہٖ وَاتِّبَاعَ الْھَوٰی مُفْضِیَةً اِلٰی غَضَبِہٖ وَالسَّلَامُ
وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ اَنْبِیَائِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اقْتَدَوْا بِھَدْیِہٖ وَسِیْرَتِہٖ وَعَلٰی اَتْبَاعِہٖ
اَجْمَعِیْنَ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَزِنَةَ
عَرْشِہٖ اٰمِیْن!

اما بعد! جاننا چاہیے کہ لغت میں "وسیلہ" کا معنی ہے: نزدیکی جستن چیزے سے (کسی چیز کا قرب تلاش کرنا)، کہا جاتا ہے: "تَوَسَّلَ اِلَی اللّٰہِ وَسِیْلَةً اِذَا تَقَرَّبَ اِلَیْہِ بِعَمَلٍ" یعنی جب عمل صالح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو اس وقت توسل الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (صراح)

کبھی وسیلہ بمعنی قرب کے آتا ہے، جیسے "اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ" یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب عطا فرما، یعنی اس قرب سے جو پہلے سے ہے، بدرجہا زائد قرب عطا فرما۔

توسل دو قسم پر ہے: ۱۔۔۔جائز۔ ۲۔۔۔ناجائز۔

توسل جائز وہ ہے جو قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت ہے۔ مشرکین، لات و عزیٰ وغیرہ سے جاتے آتے، اٹھتے بیٹھتے مدد طلب کیا کرتے تھے، کہتے تھے:

پہلے کی عبارت درگاہ خداوندی جل شانہٗ میں بطور وسیلہ کے لائی گئی ہے، حاصل یہ ہے کہ اے ربّ! آپ کی بخشش مؤمنوں کے لئے ثابت ہے، اور ہم مؤمن ہیں۔ پس ایمان باللہ وغیرہ و عمل صالح "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" سے بخشش مانگنے کا وسیلہ ہوا۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے دعا کی تو یہ وسیلہ لائے:

"رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ." (آل عمران:۵۳)

ترجمہ... "اے ربّ ہمارے! ہم نے یقین کیا جو تو نے اُتارا ہے، اور ہم تابع ہوئے رسول کے، سو لکھ لے ہم کو زمرۂ شہداء سے (یعنی اکمل اُمت سے)۔"

ظاہر ہے کہ دعا "فَاکْتُبْنَا" ہے، اور پہلے کی چیزیں درخواست کے قبول ہونے کے لئے وسیلہ ہیں۔

اسی طرح سورۂ آلِ عمران کے اخیر رکوع میں ہے:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا." (آل عمران:۱۹۳)

ترجمہ... "اے ربّ ہمارے! ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر، سو ہم ایمان لائے اے پروردگار ہمارے! بخش ہم کو گناہ ہمارے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعا "رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا" ہے، اس سے پہلے کی عبارت عرض قبول کرانے کے لئے وسیلہ ہے، اور وہ ایمان باللہ و بالرسول ہے۔

مطلب یا غرض دو قسم کی ہیں: ۱... حاجت روا ہونا۔ ۲... دُکھ دُور ہونا۔

حاجت روائی کا طریق تو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور "فاتحہ" میں سکھایا۔

دور ہونے کا طریقہ آخر قرآن مجید میں اشارۃً و صراحۃً فرمایا۔ اوّل توحید کا اقرار سورۂ اخلاص میں، اور پھر دکھ دور ہونے کا طریقہ اگر دُنیوی دکھ ہو تو سورۂ فلق میں، اور دینی دکھ ہو تو سورۂ ناس میں بتلایا۔

توحید کا اعتقاد و اقرار اور خدا تعالیٰ کی پناہ ہی دکھ دور کرتی ہے، انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے کسی نہ کسی سبب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے جو اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں۔ ایک صورت تو وسیلے کی یہ ہے جو مذکور ہوا کہ ایمان اور وہ اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سچے ایمان و اعمالِ صالحہ کے توسل سے اللہ سے دُعا و درخواست کرے، چنانچہ غار کی مشہور حدیث میں ان تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

۲:۔ دوسری صورت توسل کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دُعا کرائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا سے توسل کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا منقول ہے، جس کا خلاصۂ ترجمہ یہ ہے:

"یا خدایا! جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے توسل کیا کرتے تھے، اور تو ہماری دُعا قبول فرماکر ہمیں پانی دیا کرتا تھا، اور بے شک اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (حضرت) عباسؓ کے واسطے سے توسل کرتے ہیں، یا خدایا! ہمیں پانی دے۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۳۷)

روایت میں مذکور ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو پانی دیتا تھا۔ حاصل یہ ہوا کہ حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے تھے، یعنی آپؐ سے دعا کرایا کرتے تھے، اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے یعنی دعا کراتی اور ان کو شفیع بنایا۔ توسل کے یہ معنی نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعا کی جائے۔

۳... سوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ حسنیٰ اور اس کی صفاتِ علیا کے توسل سے دعا مانگے۔ جیسا کہ سنن میں یہ دعا منقول ہے:

الف... "لا الٰہ الا انت المنان بدیع السمٰوات والارض، ذا الجلال والاکرام۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۴)

ب... "اللّٰھم انی اسئلک بانک انت اللّٰہ لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔" (مشکوٰۃ ص:۱۹۹، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

اس کے علاوہ وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں، جن کو تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں: "اسئلک بحباحا قاف وھو یوف المحاف..... الخ" (اور وہ دعا یا منتر) جس کے معنی معلوم نہ ہوں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعین، ائمۂ دین اور صلحائے اُمت سے منقول نہیں، ان چیزوں پر حلف اُٹھانا یا اللہ تعالیٰ سے اس کا واسطہ دے کر درخواست کرنا جائز نہیں۔

۴... چہارم طریقۂ توسل کا یہ ہے کہ کلام پاک کے ساتھ توسل کرے:

"اللّٰھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک"

تو اس میں بھی اسم کا توسل ہے، مگر وہ جو تیری کتاب میں منزل ہے، تو

اس سے کتاب کا بھی توسل ہو گیا۔ نیز ایمان بالکتاب بھی توسل ہے، جیسا کہ "آمنت باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ" میں مذکور ہے۔

۵… پنجم توسل یہ ہے کہ حضرت انس بن النضرؓ نے کہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کے دانت توڑنے کا حکم دیا تو حضرت انسؓ نے کہا: مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس پر فریق ثانی نے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیا اور دیت پر راضی ہو گئے، جس سے حضرت انس بن النضرؓ کی قسم پوری ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ۔ متفق علیہ" (مشکوٰۃ ص:۳۰۰)

ترجمہ:… "اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدا تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔"

اسی طرح حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ: یا اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ایسا کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم پوری کی۔

۶… ششم توسل وہ ہے جس کو نسائی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ:

"ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لئے دعا کیجئے کہ مجھے آنکھیں (بینائی) بخش دے…… آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت

نماز پڑھے، اس کے بعد یہ کہے کہ: یا رخدایا! میں تجھ سے سوال
کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر
تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا محمدؐ! یا رسول اللہؐ! میں آپ کو وسیلہ
بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ
ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے، یا رخدایا! آپ کی شفاعت
میرے حق میں قبول فرما۔" (مشکوٰۃ ص:۲۱۹)

اس کا حاصل یہ ہے کہ سائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین فرمودہ دعا کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جل شانہ میں اس کو شفیع لائے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یعنی دعا کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

۷:... ہفتم توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائے، زاری کرے اور درخواست کرے، کیونکہ دعا و زاری رحمت الٰہی کا وسیلہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" (یعنی) مجھ سے مانگو میں ہی قبول کروں گا۔

حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ" (مشکوٰۃ ص ۱۹۵)

ترجمہ:... "جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ
اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

دعا ہی جالبِ رحمت ہے، دعا ہی دافعِ بلا ہے، دعا ہی رافعِ درجات ہے، تمام عبادتیں دعا ہی ہیں، دعا ہی مخ العبادات ہے، مگر اس طریق سے جو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے صحیح ثابت ہیں، اور جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدینؒ سے ثابت نہیں، اگر کسی نے انہیں جائز کہا ہے تو صحیح تاویل میں لا کر جائز

سلسلہ مبارکہ حضرات خواجگان نقشبندیہ احمدیہ معصومیہ مظہریہ دوستیہ عثمانیہ رضی اللہ عنہم اجمعین

یہاں حضرات اولیاء کے لئے "رضی اللہ عنہ" بطور دعا ہے۔

الٰہی بحرمت شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الخلق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الٰہی بحرمت خیر الامت خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت صاحب رسول اللہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت امام جعفر صادق از اہل بیت رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابو علی فارمدی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ جہان حضرت عبدالخالق غجدوانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عارف ریوگری رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ میر کلال رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ خواجگان پیر پیران سید محمد بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ علاء الدین عطار رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد زاہد رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ درویش محمد رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ خواجگی محمد امکنگی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت مولانا خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت سلطان اولیاء شیخ سیف الدین رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت حافظ محمد محسن دہلوی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت سید السادات سید نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت شمس الدین الشہید حضرت مرزا مظہر جان جاناں رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت مجدد مائے الثالث والعشر حضرت شاہ غلام علی دہلوی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت محبوب الرحمٰن مولانا شاہ احمد سعید مہاجر مدنی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت سلطان العاشقین حاجی الحرمین حضرت دوست محمد قندہاری رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت زبدۃ الفقہاء والمحدثین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت عمدۃ السالکین خواجہ محمد سراج الدین دامانی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمت حضرت خواجہ زبدۃ العارفین محمد ابراہیم ادام اللہ فیوضہ۔
وبحرمت حضرت عمدۃ العلماء والفضلاء جامع المعقول والمنقول عارف مولانا

محمد امیر صاحب ہاشمی رضی اللہ عنہ۔

وبحرمۃ علامہ راس المفسرین مجدد ملک الرائج والعصر مولانا حسین علی واں

بھچراں رضی اللہ عنہ۔

وبحرمۃ محی السنہ خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوری رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بفضلک ورحمتک ثم بحرمۃ الصالحین توفنا مسلمین

والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین آمین یا رب العالمین۔

تمک اسلاف پُر خطا راجی رحمۃ اللہ عبداللہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ بہلوی ثم اسلام

آبادی۔

اعمال متفرق

ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ" ۳۳ بار، "الحمد للہ" ۳۳ بار، "اللہ اکبر" ۳۴ بار، اور "لا الٰہ الا اللہ" سو مرتبہ، اور ختم پر لفظ "محمد رسول اللہ" ملا کر تین بار دُعا کرے: الٰہی! مقصود من تو ئی و رضائے تو معرفت و محبت خود دہ۔

نمازِ تہجد: جب نیند سے بیدار ہو، وضو کر کے مصلے پر کھڑے ہو کر "اللہ اکبر" دس بار، "سبحان اللہ" دس بار، "اللّٰھم اغفر لی" دس بار، "الحمد للہ" دس بار، "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" دس بار پڑھ کر پہلی دو رکعت نفل میں بعد فاتحہ شریف، سورۂ اخلاص تین، تین بار پڑھ کر فارغ ہو کر نماز سے دُعا کرے، اور اس کے بعد ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص سات، سات بار پڑھتا جائے، ادنیٰ درجہ تہجد کا چار رکعت ہے، اور اعلیٰ درجہ بارہ رکعت ہے، اگر کسی کو فکر ہو کہ نیند سے بیداری نہ ہوگی تو سوتے وقت تہجد کی نیت سے نماز پڑھ کر سو جائے، اور اگر اتفاقاً نیند سے جاگ نہیں ہوئی تو سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعات پڑھ لے، اور اگر نماز تہجد میں سورۂ یٰسین پڑھا کرے تو عمدہ ہے، تہجد میں جتنا قرآن مجید زیادہ پڑھے بہتر ہے۔

"ایامِ بیض" کے روزے رکھنا بڑا ثواب ہے، ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں

اور چودھویں کو "ایام بیض" کہتے ہیں، اسی طرح ہر جمعرات و سوموار کو روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے، اسی طرح محرم کی نویں، دسویں اور ذوالحجہ کی نویں کا روزہ رکھنا ثواب ہے۔
اور مشکل کے وقت آیت کریمہ: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" کو اس ترکیب سے پڑھے کہ تین رات کے لئے اندھیرے میں، ایک مکان میں، ایک چادر نیچے اور ایک اوپر اوڑھ کر بیٹھ جائے، اور قمیص نہ پہنے، اور پانی کا پیالہ سامنے رکھ لے، آیت کریمہ پڑھتے وقت اس پانی سے ہاتھ بھگو کر بدن پر ملتا رہے، تین سو بار پڑھے اور اول آخر درود شریف سات، سات بار پڑھے، تین رات تک پڑھے، اس کے بعد ہر روز ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے، اول آخر درود شریف تین، تین بار پڑھ کر حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے نیاز (عاجزی) سے دعا کرے، جلد ہی مشکل کشائی و حاجت روائی ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ بفضلہ وکرمہ۔

اگر بیمار کے علاج سے مایوسی ہو جائے تو یہ علاج مجرب ہے۔ چینی کی طشتری پر درود شریف، فاتحہ شریف، "یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِیْ دَیْمُوْمَةِ مُلْكِهٖ وَبَقَائِهٖ یَا حَیُّ" سورۂ فلق اور درود شریف اکتالیس روز تک لکھ کر پلاتے رہیں، مریض کو شفا ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہر بخار، درد اور بیماری کے لئے: یہ کلمات: "یَا اَللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ" لکھ کر مریض کو پلاتے رہیں، اور اگر مریض دن میں یہ تعویذ دو بار یا زیادہ بار پیا کرے تو جلد شفا ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ، تمام مجرب ہے۔

بچہ زندہ رہنے کے لئے سوموار کی دوپہر کو فلفل سیاہ آدھ سیر اور اجوائن دیسی آدھ سیر پر سورۂ والشمس اکتالیس بار، ہر بار کے اول و آخر ایک بار درود شریف پڑھ کر دم کرے، حمل کے تیسرے یا پانچویں مہینے سے بچے کا دودھ چھڑانے تک ایک ایک، دو دو دانہ عورت کھاتی رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ بچے کی عمر دراز ہوگی، بہت مجرب ہے۔

وصیت ونصیحت نامہ از ضیاء القلوب

طالب کو چاہئے کہ پہلے فرقہ ناجیہ (اہل سنت والجماعت) کے عقائد
کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کرے، اور اس کے بعد مسائل ضروریہ سیکھے، اور
کتاب وسنت اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اتباع کرے۔ اس کے بعد نفس کو
رذیل اخلاق وعادات سے پاک وصاف کرے:

خواہی کہ شود دل چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و امل و غضب و دروغ و غیبت
بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

اس کے بعد تجلیہ یعنی اخلاق واوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو معمور کرے
اور منازل سلوک کی تحصیل میں بھی کوشش بلیغ کرے

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
دہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

فائدہ:... سالک کو یہ بھی چاہئے کہ شریعت کے احکام پر مستحکم رہے،
ممنوعات سے بچتا رہے، تقویٰ کو اپنا شعار بنائے، تمام اعمال میں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی سنت پر عمل کرے، خواہ عبادات ہوں یا معاملات، معاشرات ہوں یا اخلاق،
تدبیر منزل ہو یا سیاست مدنیہ، اور بدعت سے بچنے کی تمام تر کوشش کرے، اللہ تعالیٰ
کے قرب تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اتباع حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم، جتنا سنت پر عمل ہوگا، اتنا قرب ہوگا، (بندہ) جس قدر سنت کے عمل سے بعید
ہوگا اتنا ہی قرب وکمال سے بعید ہوگا۔ اگرچہ انوار، استغراق، سکر، محو، فنا اور بقا سے

محسوس ہو، پھر وہ نور، استغراق وغیرہ چیزیں ناری ہیں، نوری نہیں، ظاہر میں روشنی ہے مگر حقیقت میں بوجہ دوری سنت، زنگ چڑھانے والی ہیں، یہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہوگا، فافہم وتفکر! پس جب صحت اعتقاد اور سنت کے مطابق عمل ہوتے ہوئے لذت بھی حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور تھوڑے کو بہت جانے، اور ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کرے اور کشف وکرامات سے لذت نہ اٹھائے، بلکہ فکرمند رہے کہ عجب وکبر کا مرض اس سے پیدا ہوتا ہے، اور جب قبض وتنگی دل پیش آئے تو مایوس نہ ہو۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست

با کریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ:... "تو ہمیں یہ بات نہ کہہ کہ ہمیں بادشاہ کے پاس پہنچ نہیں ہے، اہل سخا سے کام مشکل نہیں ہوتے۔"

ہر ظلمت کے بعد صبح ہے اور حالت بسط وانشراح میں شکر کرتا رہے، اور حدود شریعہ کا پابند رہے، اور اوقات کو فارغ نہ رکھے، اور وقت کو غنیمت سمجھے، گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا، ورنہ مخالف شریعت کی صحبت سے دور رہے۔

نخست موعظہ پیر مغاں ہمیں حرف است

کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ:... "شیخ کی پہلی نصیحت یہی ہے کہ ناجنس ساتھی سے پرہیز کرے۔"

مخالف شرع درویشوں سے، اگرچہ ان سے خوارق عادات دیکھے، دور رہے، اس لئے کہ ان کا قرب سم قاتل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وتابعیہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلہا واکملہا آمین!

سبحانک اللّٰہم وبحمدک اشہد ان لا الٰہ الا انت وان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عبدک ورسولک، استغفرک واتوب الیک۔ اللّٰہم تقبل منا انک انت السمیع العلیم